آر. ایل. سٹیونسن

ڈاکٹر جیکل اور مسٹر ہائیڈ

ترجمہ محمد حسن

کتب پبلشرز لمیٹڈ بمبئی نمبر ۱

ڈاکٹر جیکل اور مسٹر ہائیڈ

DR. JEKYLL AND MR. HYDE

By

R. L. Stevenson

پہلی اشاعت اگست سنہ ۱۹۵۵ء

مغنی امروہوی ـــــ نے قادری پریس نور منزل محمد علی روڈ
بمبئی ۳ سے چھپوا کر مکتب پبلشرز لمیٹڈ ریگل بلڈنگ پالو بندر بمبئی ۱۰ سے شائع کیا

پراسرار دروازہ

اٹرسن وکیل کھردرے چہرے کا آدمی تھا جو کبھی ہلکی سی مسکراہٹ سے بھی روشن نہیں ہوتا تھا۔ ایک طرح کا سرد اور کم سخن آدمی جس میں جذبات کی کمی معلوم ہوتی تھی۔ دُبلا پتلا لمبا قد۔ روکھا پھیکا پھر بھی کسی حد تک قابل محبت۔ دوستوں کی صحبت میں جب شراب اس کے ذوق کے مطابق ہوتی تھی تو اس کی آنکھوں میں ایک انسانی چمک پیدا ہو جاتی تھی۔ اس کا اظہار اس کی گفتگو میں کبھی نہیں ہوتا تھا لیکن یہ خاموش علامتیں جو اس کے چہرے پر کھانا کھانے کے بعد بول اٹھتی تھیں زیادہ تر اس کے اعمال میں ظاہر ہوتی تھیں اور بڑے زور شور کے ساتھ۔ وہ شدت کے ساتھ سادگی پسند تھا جب وہ تنہا ہوتا تو انگور کی شراب کے شوق کا گلا گھونٹنے کے لئے صرف جن پیتا تھا۔ حالانکہ اسے تھیٹر میں لطف آتا تھا لیکن بیس برس سے کسی تھیٹر کی عمارت میں داخل نہیں ہوا تھا۔ لیکن دوسروں کے ساتھ وہ رواداری کا برتاؤ کرتا تھا کبھی کبھی وہ اُن کی بداعمالیوں کی روحانی شدت پر رشک اور حسد کے ملے جلے جذبات کے ساتھ حیرت اور استعجاب میں غرق ہوتا تھا۔ اور آڑے وقت میں ملامت یا سرزنش کے بجائے ان کی امداد پر مائل ہو جاتا تھا۔ وہ بڑے انوکھے پن سے یہ کہا کرتا تھا کہ "میں قابیل

کی بدعت کی طرف مائل ہوں۔ میں اپنے بھائی کو خود اس کے اپنے راستے پر چلنے دیتا ہوں"۔ وہ ایسا آدمی تھا جو تباہ ہوتے ہوئے آدمیوں کا ساتھ آخر وقت تک دیتا تھا اور انھیں سنبھالنے کی انتہائی کوشش کرتا تھا۔ اور ایسے لوگ جب تک اس کے پاس آتے رہتے تھے اس کے آداب اور اخلاق میں ذرا سا بھی فرق نہیں ہوتا تھا۔

اٹرسن کے لئے یہ کام بہت آسان تھا کیونکہ وہ دکھاوے کا بالکل عادی نہ تھا اور اس کی دوستی کی بنیاد بھی ویسی ہی وسیع المشربی اور خوش مزاجی پر قائم تھی۔ یہ منکسر مزاج اور سیدھے سادے آدمیوں کی پہچان ہے کہ انھیں دوستوں کا جب حلقہ مل جاتا ہے اس پر قناعت کر لیتے ہیں اور اٹرسن وکیل کا بھی یہی طریقہ تھا۔ اس کے دوست یا تو اس کے اپنے رشتہ دار تھے یا وہ لوگ جنھیں وہ بہت دنوں سے جانتا تھا۔ اس کی محبت بھی عشق پیچاں کی بیل کی طرح وقت کے ساتھ بڑھتی تھی اس میں رغبت اور توجہ کا دخل نہیں تھا۔ قصبے کے مشہور آدمی رچرڈ انفیلڈ سے جو اس کا دور کا رشتہ دار بھی ہوتا تھا اٹرسن کے تعلقات اسی طرح کے تھے۔ یہ دوستی بہتوں کے لئے ایک معمہ تھی۔ بھلا ان دونوں کو ایک دوسرے میں کیا نظر آتا ہے۔ ان دونوں میں مشترک کیا چیز ہے۔ جو لوگ ان کو اتوار کے دن ٹہلتے دیکھتے تھے اُن کے بیان کے مطابق یہ دونوں بالکل خاموش رہتے تھے اور کافی افسردہ معلوم ہوتے تھے اور اگر کوئی تیسرا دوست سامنے سے آتا دکھائی دے جاتا تو خوشی کا اظہار کرتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود یہ دونوں آدمی اس چہل قدمی کو بڑی اہمیت دیتے تھے اور اسے ہفتے کی سب سے بڑی نعمت سمجھتے تھے۔ وہ نہ محض یہ کہ اس موقع کے لئے دوسری خوشیوں کو قربان کر دیتے تھے بلکہ بعض ضروری کاموں کو بھی ٹال جاتے تھے تاکہ بغیر کسی قسم کے خلل کے وہ اپنی چہل قدمی لطف اٹھا سکیں۔

ایسی ہی ایک آوارہ گردی کے دوران میں یہ دونوں دوست لندن

کی ایک گلی سے ہوتے ہوئے ایک بڑی سڑک پر پہونچ گئے سڑک چھوٹی اور خاموش تھی لیکن ہفتے بھر اس پر تجارتی کاروبار کی گرم بازاری رہتی تھی۔ یہاں کے باشندے خوشحال تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اپنے کاروبار کو بڑھانے کے لئے .... ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور اپنے منافع کو کافی سلیقے سے استعمال کرتے ہیں۔ اس شاہراہ پر مکانوں کی کھڑکیاں سامان بیچنے والی لڑکیوں کی طرح مسکرا مسکرا کر اندر آنے کی دعوت دیتی تھیں۔ اتوار کے دن جب اس کے مزین حسن پر پردہ رہتا تھا اور آمد و رفت کم رہتی تھی تب بھی یہ سڑک آس پاس کے میلے کچیلے علاقے کے مقابلے میں اس طرح جگمگاتی رہتی تھی جیسے جنگل میں آگ۔ اور اپنی تازہ وارنش کی ہوئی کھڑکیوں اور عام صفائی اور تازگی کی فضا کی بدولت راہ گیروں کو اپنی طرف مائل کر لیتی تھی اور اُن کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگتی تھیں۔

بائیں ہاتھ پورب کی طرف ایک نکڑ سے دو دروازے چھوڑ کر ایک احاطہ مکانوں کے سیدھے سلسلے کو منقطع کر دیتا تھا، وہیں ایک منحوس اور بھیانک قسم کا مکان کھڑا تھا جس کی تکونی ڈھلوان دیوار سڑک تک آ گئی تھی، یہ دو منزلہ مکان تھا جس میں کوئی کھڑکی نہیں تھی بس نچلی منزل کا ایک دروازہ تھا۔ اوپر کی منزل کی بدرنگ دیوار ایک سپاٹ پیشانی کی طرح پھیلی ہوئی تھی، اور زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہی تھی کہ بہت دن سے کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں کی ہے۔ دروازے میں نہ گھنٹی تھی نہ کھٹکھٹا، کواڑوں پر دھبے پڑے ہوئے تھے، یہاں آوارہ گرد لڑکے سرگشتی کرتے رہتے تھے، اور دیواروں، اور دروازوں کی پٹیوں پر رگڑ رگڑ کر دیا سلائی جلاتے تھے، دہلیز پر بچے دوکانیں لگاتے رہتے تھے، کواڑوں کے حاشیے پر کسی اسکول کے لڑکے نے اپنے چاقو کی دھار آزمائی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پشتہا پشت کر

کسی نے ان آوارہ گردوں کو بھگانے یا ان کی دستبرد سے تاراج ہونے والے دروازے کی مرمت کرانے کی زحمت نہیں اٹھائی تھی۔

مسٹر انفیلڈ اور وکیل صاحب اس بغلی سڑک کے دوسری طرف تھے لیکن جب وہ اس کے منہ کے پاس پہونچے تو انفیلڈ نے اپنا بید اٹھا کر اشارہ کیا۔

"تم نے کبھی اس دروازے پر غور کیا ہے" انھوں نے پوچھا، اور جب ان کے ساتھی نے اثبات میں سر ہلا دیا تو کہا کہ "میرے ذہن میں یہ دروازہ ایک بڑے عجیب و غریب قصے کے ساتھ وابستہ ہے"

"اچھا؟" مسٹر اٹرسن نے آواز کی ہلکی سی تبدیلی کے ساتھ کہا "وہ کیا قصہ ہے؟"

مسٹر انفیلڈ نے جواب دیا "ایسا ہوا کہ میں جاڑوں کی ایک تاریک صبح کو، کوئی تین بجے کے قریب کسی دور دراز جگہ سے اپنے گھر واپس آرہا تھا، اور میرا راستہ شہر کے ایک ایسے علاقے سے گذرتا تھا، جہاں سوائے لیمپوں کے اور کچھ نہیں دکھائی دیتا تھا، ایک سڑک کے بعد دوسری سڑک آتی تھی، لوگ خواب نوشیں کے مزے لے رہے تھے، اور ایک سڑک کے بعد دوسری سڑک جیسے سب سڑکیں کسی جلوس کے لئے روشن کی گئیں ہوں۔ اور سب کی سب گرجا گھر کی طرح خالی میرے دماغ کی وہ کیفیت ہوگئی جب انسان پولس کے سپاہی کے لئے نظریں دوڑانے لگتا ہے، یکایک میں نے دو پرچھائیاں سی دیکھیں، ایک چھوٹے سے قد کا آدمی جو بھاری بھاری قدم رکھتا ہوا بڑی تیز رفتاری سے پورب کی طرف جا رہا تھا دوسری ایک لڑکی تھی، شاید آٹھ دس برس کی، جو بڑی تیزی کے ساتھ دوسری طرف سے دوڑی ہوئی آرہی تھی، ظاہر ہے نکڑ پر دونوں کی ٹکر ہوگئی، اس کے بعد

میں نے سب سے خوفناک چیز دیکھی، اس آدمی نے بہت ہی اطمینان سے اس لڑکی کے جسم کو اپنے پیروں سے کچل ڈالا، اور اسے چیختا چلاتا زمین پر چھوڑ کر چل دیا سننے میں یہ بات کچھ بھی نہیں معلوم ہوتی لیکن وہ بڑا بھیانک نظارہ تھا۔ وہ بالکل انسان نہیں معلوم ہوتا تھا، جیسے وہ کوئی خوفناک دیو تھا، میں نے اسے للکارا، اور دوڑ کر گردن سے پکڑ لیا، اور اس روتی ہوئی بچی کے پاس واپس لایا جہاں اتنی دیر میں اور بہت سے لوگ جمع ہو گئے تھے، اس شخص نے بہت ضبط سے کام لیا اور بالکل مفاہمت نہیں کی، لیکن مجھے ایسی بری نگاہ سے دیکھا، کہ میرے بدن سے پسینہ چھوٹنے لگا، جو لوگ وہاں جمع ہو گئے تھے، وہ لڑکی کے خاندان والے ہی نکلے، تھوڑی دیر میں ڈاکٹر بھی آ گیا، خیریت یہ ہوئی کہ بچی کی حالت زیادہ خراب نہیں تھی، لیکن وہ سہم بہت گئی تھی۔ بات وہیں ختم ہو جاتی، مگر حالات بڑے عجیب و غریب تھے، مجھے اس شخص سے پہلی ہی نگاہ میں انتہائی نفرت ہو گئی تھی، بچی کے گھر والوں کی بھی یہی کیفیت تھی، اور ہونی بھی چاہئے تھی، مگر مجھے ڈاکٹر کا معاملہ بڑا عجیب معلوم ہوا، وہ حسب معمول بالکل عطار تھا جس کی عمر اور رنگ روپ کا کوئی خاص اندازہ نہیں ہوتا تھا، لب و لہجے میں ایڈمبرا کا بڑا گہرا اثر تھا، اور بین باجے کی طرح جذباتی معلوم ہوتا تھا، اس کی بھی حالت ہماری جیسی تھی، اور جب وہ ہمارے قیدی کی طرف دیکھتا، تو غصے سے لال ہو جاتا تھا، اور اسکا خون پی جانا چاہتا تھا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ اس کے دل میں کیا ہے جیسے وہ سمجھ رہا تھا کہ میرے دل میں کیا ہے، جان لینے کا تو کوئی سوال نہیں تھا اس لئے ہم نے دوسرا بہتر راستہ نکالا۔ ہم نے اس شخص سے کہا کہ اس معاملہ پر ہم ایسا ہنگامہ کریں گے کہ لندن کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک اسکی بدنامی پھیل جائے گی، اور وہ کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔ اگر اسکا کوئی دوست ہے، یا اس کی کوئی ساکھ ہے تو ہم اسے بالکل ختم کر دیں گے، اور اس

ساری تندو تیز گفتگو کے دوران میں ہم عورتوں کو اس شخص سے دور رکھنے کی کوشش کر رہے تھے، کیونکہ وہ عفریتوں کی طرح برھم تھیں، میں نے اتنی نفرت سے بھرے ہوئے چہرے کبھی نہیں دیکھے اور ان کے حلقے میں وہ شخص کھڑا ہوا تھا، ایک طرح کے حقارت آمیز سکون، اور ضبط کی تصویر بنا ہوا، لیکن کچھ سہا ہوا، میں اس کی کیفیت دیکھ رہا تھا لیکن وہ کمبخت شیطان کی طرح کھڑا تھا۔" اگر تم لوگ اس حادثے سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو میں مجبور ہوں" اس نے کہا۔" ہر شریف آدمی اس طرح کی توتو میں میں سے بچنا چاہتا ہے۔ بولو کتنی رقم چاہئے"؛ ہم نے اسے مجبور کیا کہ وہ بچی کے خاندان والوں کو سو پاؤنڈ ادا کرے، وہ اس سے بھاگ نکلنا چاہتا تھا، مگر ہم لوگ بھی پاجی پن پر تلے ہوئے تھے، آخر وہ تیار ہو گیا، اب روپیہ لانے کا سوال تھا، اور سوچو وہ ہمیں کہاں لے گیا، اس دروازے پر، اس نے اپنی جیب سے ایک کنجی نکالی اور دروازہ کھول کے اندر گیا، اور دس پاؤنڈ کے سونے کے سکے، اور باقی نوے پاؤنڈ کا چیک لئے ہوئے واپس آیا، اس چیک پر ایک ایسے آدمی کے دستخط تھے جسکا نام میں نہیں بتا سکتا، حالانکہ میرے قصے کا سب سے اہم نکتہ یہی ہے، یہ نام کافی مشہور ہے، اور اکثر اخباروں میں چھپتا رہتا ہے، وہ شخص بہت ہی درشت انداز میں اکڑا ہوا کھڑا تھا۔ لیکن دستخط کچھ اسکی حیثیت سے زیادہ تھے، سوال یہ تھا کہ وہ صحیح ہیں یا نہیں؟، میں نے اس سے کہا کہ یہ سارا معاملہ کچھ چار سو بیس معلوم ہوتا ہے۔ یہ کچھ عجیب سی بات ہے کہ ایک شخص صبح چار۔ بجے کسی مکان کے پچھلے دروازے سے داخل ہو، اور دوسرے آدمی کا دستخط کیا ہوا تقریباً سو پاؤنڈ کا چیک لے کر باہر نکل آئے، لیکن اس نے حقارت آمیز اطمینان کے ساتھ کہا کہ" تم لوگ اطمینان رکھو میں بینک کھلنے تک تمہارے ساتھ ہی رہوں گا، اور خود چلکر چیک بھنا دوں گا۔ اس کے بعد ہم لوگ، میں، ڈاکٹر، بچی کا باپ اور

ہمارے دوسرے احباب وہاں سے روانہ ہو گئے، اور سب نے میرے گھر پہ باقی رات گذاری
دوسرے دن ناشتے کے بعد ہماری پوری ٹولی بینک پہونچ گئی، میں نے خود بینک میں
چیک داخل کیا، اور کہا کہ مجھے اس میں جعلسازی کا شبہ ہے۔ لیکن میرا شبہ غلط نکلا، چیک
بالکل کھرا نکلا

"ٹٹ، ٹٹ" مسٹر اٹرسن نے زبان سے آواز نکالی۔

"تم بھی وہی محسوس کر رہے ہو جو میں کرتا ہوں" مسٹر انفیلڈ بولے "یہ کافی
برا قصہ ہے۔ وہ شخص ایسا آدمی تھا جس سے کوئی شریف آدمی کسی قسم کے تعلقات نہیں
رکھ سکتا، بہت ہی ملعون آدمی۔ لیکن جس شخص نے چیک لکھا تھا، وہ کافی اچھا آدمی ہے
مشہور بھی ہے۔ اور جو بات اس معاملے کو اور بھی نازک بنا دیتی ہے یہ ہے کہ وہ ایسے
کام کرتا ہے جنھیں اچھا کہا جاتا ہے۔ ممکن ہے یہ بلیک میل ہو۔ ایک ایماندار آدمی اپنی
جوانی کی گدگڑیوں کا خمیازہ بھگت رہا ہے، اور اپنے راز کے افشا ہونے کے ڈر سے
بے چوں وچرا روپیہ ادا کرتا ہے۔ اب میں اس دروازے والے گھر کو بلیک میل کا گھر
کہتا ہوں۔ حالانکہ اس سے بھی پوری بات سمجھ میں نہیں آتی" یہ الفاظ ادا کرنے
کے بعد وہ سوچ میں پڑ گیا۔

وہ اسوقت چونکا جب مسٹر اٹرسن نے یکایک پوچھا۔ "اور تمھیں یہ نہیں معلوم
کہ وہ چیک لکھنے والا وہاں رہتا ہے یا نہیں؟"

"یہ بھی کوئی جگہ ایسے آدمی کے رہنے کی ہے۔ کیا خوب" مسٹر انفیلڈ نے
جواب دیا۔ "میں نے ایک بار اسکا پتہ دیکھا ہے۔ وہ یہیں کسی کٹہرے میں
رہتا ہے"

"اور تم نے کبھی اس دروازے والے گھر کے بارے میں نہیں پوچھا؟"
مسٹر اٹرسن نے دریافت کیا۔

"نہیں۔ کبھی نہیں، یہ ذرا نازک معاملہ ہے،" میں سوالات کے بارے میں اپنی رائے رکھتا ہوں۔

سوال پوچھنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی پتھر لڑھکا دینا۔ آپ پہاڑ کی چوٹی پر خاموش بیٹھے ہیں، اور پتھر نیچے چلا جا رہا ہے، اور اس کی زد میں آکر دوسرے پتھر لڑھکنے لگتے ہیں اور یکایک آپ دیکھتے ہیں کہ ایک پتھر نے اپنے پائیں باغ میں بیٹھے ہوئے کسی معقول آدمی کا سر پھوڑ دیا جس کی آپ کو بالکل توقع نہیں تھی، اور پھر خاندان والوں کو اپنا نام بدلنا پڑتا ہے۔ نہیں جناب، کبھی نہیں۔ میں نے اپنا یہ اصول بنا لیا ہے۔ معاملہ جتنا زیادہ پیچیدہ اور مشتبہ ہوتا ہے۔ میں اس کے متعلق اتنے ہی کم سوال کرتا ہوں،

وکیل صاحب نے تائید کی "بہت اچھا اصول ہے"

"لیکن میں نے اس جگہ کا معائنہ خود کیا ہے"۔ مسٹر انفیلڈ نے اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھا۔ یہ جگہ شکل سے گھر معلوم ہوتی ہے، اس میں کوئی دوسرا دروازہ نہیں ہے، اور اس دروازہ میں سے کوئی نہیں آتا جاتا، بس کبھی کبھی میرے قصے والا آدمی آتا ہے، پہلی منزل میں تین کھڑکیاں ہیں، نچلی منزل میں کوئی نہیں، یہ کھڑکیاں ہمیشہ بند رہتی ہیں۔ لیکن صاف ہیں، اور پھر ایک دودکش ہے جس سے ہمیشہ دھواں نکلتا رہتا ہے۔ اسکے معنی ہیں کہ کوئی وہاں رہتا ضرور ہے۔ پھر بھی کچھ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ عمارتیں ایک دوسرے میں اتنی پیوست ہیں کہ یہ بتانا ممکن نہیں کہ ایک کہاں ختم ہوتی ہے اور دوسری کہاں سے شروع ہوتی ہے"

تھوڑی دیر تک یہ دونوں دوست پھر خاموشی کے ساتھ ٹہلتے رہے۔ اور پھر مسٹر اٹرسن نے کہا۔ "انفیلڈ۔ تمہارا یہ اصول بہت اچھا ہے"

"ہاں میں بھی یہی سمجھتا ہوں" انفیلڈ نے جواب دیا۔

"لیکن اسکے باوجود ایک بات ہے جو میں پوچھنا چاہتا ہوں" وکیل صاحب نے اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھا "میں اس آدمی کا نام پوچھنا چاہتا ہوں جس نے اس بچی کو کچلا تھا۔"

"ہاں" مسٹر انفیلڈ نے کہا۔ "اس میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ وہ ہائیڈ نام کا آدمی تھا"

"ہوں" مسٹر اٹرسن بولے۔ "اس آدمی کا حلیہ کیا تھا؟"

"اسکا حلیہ بیان کرنا آسان کام نہیں۔ اس کے چہرے میں کوئی خرابی ہے۔ کوئی ناخوشگوار کیفیت۔ انتہائی نفرت انگیز۔ میں نے کوئی اتنا نفرت انگیز آدمی نہیں دیکھا حالانکہ میں اسے برائے نام جانتا ہوں، اس کی ہیئت میں کوئی خرابی ضرور ہے، اسکو دیکھتے ہی یہ احساس ضرور ہوتا ہے کہ وہ بہت بدقوارہ آدمی ہے۔ لیکن اسکا کون سا عضو ٹیڑھا ہے۔ یہ میں نہیں معلوم کر سکا۔ اس کی صورت بہت ہی غیر معمولی ہے پھر بھی اسکے متعلق میں کوئی غیر معمولی بات بتا نہیں سکتا۔ ناممکن۔ میں اسکو بیان نہیں کر سکتا نہیں کہ مجھے کچھ یاد نہ رہ گیا ہو میں اب بھی اسے اپنی نظروں کے سامنے دیکھ سکتا ہوں۔"

مسٹر اٹرسن پھر تھوڑی دور تک خاموشی کے ساتھ ٹہلتے رہے۔ اور ان کے چہرے پر غور و فکر کے آثار تھے۔ "تمھیں یقین ہے کہ اس نے کنجی استعمال کی تھی۔" آخر انھوں نے پوچھا"

"میرے دوست ......" انفیلڈ نے حیرت اور استعجاب سے کہا

"ہاں۔ میں سمجھتا ہوں" مسٹر اٹرسن بولے۔ "میں سمجھتا ہوں یہ بڑی عجیب بات معلوم ہوگی حقیقت یہ ہے کہ میں دوسرے آدمی کا نام اسلئے نہیں پوچھتا کہ میں اس سے واقف ہوں۔ دیکھو رچرڈ تمہاری داستان میرے دل میں اتر گئی۔ اگر تمہارے

بیان میں کہیں غلطی ہو گئی ہو تو اس کی تصحیح کر دو"

تم نے مجھے پہلے سے آگاہ کر دیا ہوتا" دوست نے ذرا بیزار ہو کر کہا۔ "میں نے تو بقراط کی طرح صحیح بیان کیا ہے، اس آدمی کے پاس ایک کنجی تھی، اور اب بھی ہے، ابھی ایک ہفتہ بھی نہیں ہوا کہ میں نے اسے پھر وہی کنجی استعمال کرتے دیکھا ہے"

مسٹر اٹرسن نے ایک ٹھنڈی سانس لی، اور ایک لفظ بھی نہیں بولے۔ اور نوجوان دوست نے فوراً اپنی گفتگو کا سلسلہ پھر شروع کر دیا۔ "یہ ہمارے لئے ایک اور سبق ہے، میں اپنی قینچی کی طرح چلتی ہوئی زبان سے شرمندہ ہوں۔ آؤ ہم وعدہ کریں کہ پھر کبھی اس قصے کا ذکر بھول کر بھی نہیں کریں گے"

"جان و دل سے" وکیل صاحب نے جواب دیا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں رچرڈ"

مسٹر ہائیڈ کی تلاش

اس شام کو مسٹر اٹرسن اپنے مجرد گھر میں، اداس واپس آئے اور بغیر شوق اور اشتہا کے کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ یہ ان کا معمول تھا کہ ہر اتوار کو کھانا کھانے کے بعد وہ کوئی خشک قسم کی مذہبی کتاب لے کر آتش دان کے پاس بیٹھ جاتے تھے یہاں تک کہ قریب کے گرجا گھر سے بارہ بجنے کی آواز آتی تھی۔ تب وہ بہت سنجیدگی سے اٹھ کر بستر پر لیٹ جاتے تھے۔ لیکن آج کی رات جیسے ہی دسترخوان بڑھایا گیا، وہ ایک موم بتی لیکر اپنے کاروبار کے کمرے میں گھس گئے۔ وہاں انھوں نے اپنی تجوری کھول کر ایک پوشیدہ جگہ سے ایک دستاویز نکالی۔ جس کے لفافے کی پشت پر لکھا تھا۔ "ڈاکٹر جیکل کی وصیت" اور فوراً ترش ابروؤں کے ساتھ اسکا مطالعہ کرنے بیٹھ گئے

وہ خود نوشت دستاویز تھی، کیونکہ مسٹر اٹرسن نے اس کی تیاری میں ذرا سی بھی مدد دینے سے انکار کر دیا تھا۔ حالانکہ اس کے تیار ہونے کے بعد انھوں نے اس کی ذمہ داری لے لی تھی۔ اسمیں صرف یہی نہیں لکھا تھا کہ ہنری جیکل کی موت کے بعد ان کی ساری جائیداد کے وارث ان کے "دوست اور محسن ایڈورڈ ہائیڈ" ہوں۔ بلکہ یہ بھی تحریر تھا کہ اگر ڈاکٹر جیکل کہیں غائب ہو جائیں، یا نامعلوم اسباب کی بنا، پر تین ماہ سے زیادہ غیر حاضر رہیں تو متذکرہ بالا شخص ہنری جیکل بغیر کسی تاخیر کے ان کی جگہ لے لے۔ اس پر کسی قسم کی ذمہ داری یا بوجھ نہیں ہو گا۔ سوائے چند چھوٹی چھوٹی رقموں کے جو ڈاکٹر کے گھر کے بعض افراد کو دی جائیں گی۔ یہ دستاویز بہت دنوں سے وکیل صاحب کی آنکھوں کا کانٹا بنی ہوئی تھی۔ انھیں اس دستاویز سے اس لئے بھی تکلیف ہوتی تھی کہ وہ وکیل تھے اور اسلئے بھی کہ وہ زندگی کے معتدل اور معقول پہلو سے بھی محبت کرتے تھے۔ اور انکے نزدیک انوکھا پن نازیبا اور شائستگی کے خلاف تھا۔ اب تک مسٹر ہائیڈ کے متعلق انھیں کچھ نہیں معلوم تھا جس کی وجہ سے ان کی برہمی بڑھ جاتی تھی۔ لیکن اب یکایک اتفاق سے انھیں مسٹر ہائیڈ کا علم ہو گیا۔ ان کی برہمی کے لئے یہی کیا کم تھا کہ ابتک اس نام کے بارے میں وہ کچھ معلومات حاصل نہیں کر سکتے تھے، لیکن اس سے بھی زیادہ برا یہ ہوا کہ وہ قابل نفرت خصوصیات کے جامہ میں ان پر ظاہر ہوا۔ اور یکایک اس متحرک اور غیر حقیقی دھند کے پیچھے سے جس نے وکیل کی آنکھوں پر پردہ ڈال رکھا تھا ایک سفاک اور ظالم شیطان باہر نکلا۔

"میں سمجھتا تھا کہ یہ پاگل پن ہے" انھوں نے اس مکروہ کاغذ کو تجوری میں واپس رکھتے ہوئے زیر لب کہا۔ "اور اب میں سمجھتا ہوں کہ یہ شرمناک بات ہے"

یہ کہتے ہوئے انھوں نے موم بتی پھونک مار کر بجھا دی۔ ایک بڑا کوٹ پہنا، اور کیونڈش اسکوائر کی طرف چل دیئے، جہاں ان کے دوست مشہور ڈاکٹر لینن

کا گھر تھا جس میں اس کے مریضوں کا ہجوم لگا رہتا تھا۔ " اگر کسی کو کچھ معلوم ہے تو وہ لن یون ہی ہے " انھوں نے سوچا۔

مہذب اور سنجیدہ بٹلر نے ان کا خیر مقدم کیا اور انھیں انتظار کی تکلیف دیئے بغیر سیدھا کھانے کے کمرے میں پہونچا دیا۔ جہاں ڈاکٹر لن یون اکیلو بیٹھے ہوئے شراب پی رہے تھے۔ وہ بہت ہی خوش وخرم، تندرست، صاف ستھرا، پھرتیلا، سرخ چہرے کا آدمی تھا جس کے چہرے بال قبل از وقت سفید ہو گئے تھے، اسکے اطوار بہت واضح اور جچے تلے تھے، مسٹر اٹرسن کو دیکھ کر وہ کرسی سے اچھل پڑا۔ اور دونوں ہاتھ پھیلا کر ان کا خیر مقدم کیا۔ یہ خوش طبعی جو اس آدمی کی فطرت تھی کسی قدر تھیٹر کی اداکاری سی معلوم ہوتی تھی۔ لیکن اس کی بنیاد سچے جذبات پر قائم تھی، یہ دونوں پرانے دوست تھے، اسکول اور کالج کے زمانے کے پرانے ساتھی۔ دونوں اپنے آپ کو لیئے دیئے رہتے تھے۔ لیکن ایک دوسرے کا کافی احترام کرتے تھے، اور گو یہ ہمیشہ نہیں ہوتا لیکن دونوں ایک دوسرے کی صحبت سے کافی لطف اندوز ہوتے تھے۔

تھوڑی سی ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد وکیل صاحب نے اپنا موضوع چھیڑا جس کی تلخی ان کے دل و دماغ پر طاری تھی۔

" لن یون " انھوں نے کہا " میں سمجھتا ہوں کہ ہم دونوں ہنری جیکل کے سب سے پرانے اور بوڑھے دوست ہیں؟ "

" کاش ہم کچھ جوان ہوتے " ڈاکٹر لن یون نے ہنستے ہوئے کہا۔ " لیکن یہ صحیح ہے۔ مگر آجکل مجھے ان کی صورت ذرا کم نظر آتی ہے "!

" واقعی " اٹرسن نے کہا " میں سمجھتا ہوں کہ تم دونوں کی دلچسپیاں مشترک ہیں "

"یقیناً" جواب ملا۔ "لیکن میرے نزدیک ہنری جیکل دس گیارہ برس سے بڑا وہمی اور انوکھا سا آدمی ہوگیا تھا۔ اسکا دماغ چل نکلا ہے، اور حالانکہ پرانے تعلقات کی بنا پر میری دلچسپی اس کی ذات میں کم نہیں ہوئی ہے۔ میں اس سے بہت کم ملتا ہوں، وہ ایسی غیر علمی بکواس کرتا ہے کہ کوئی حد نہیں"۔ ڈاکٹر یہ کہتے کہتے سُرخ ہوگیا۔

ڈاکٹر کی اس گرم گفتاری اور تھوڑی سی برہمی سے مسٹر اٹرسن کو کچھ تسکین ہوئی، انھوں نے سوچا کہ "سائنس کے کسی مسئلے پر دونوں میں اختلاف ہوگیا ہوگا" انہیں سائنس کو کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ (سوائے دستاویز نویسی کے) اور انھوں نے کہا "کوئی ایسی بات نہیں ہے" انھوں نے اپنے دوست کو دلجمعی کے لئے چند لمحے دئے اور پھر اپنا اصل سوال شروع کیا۔ جسے پوچھنے وہ یہاں آرہے تھے۔

"تمہاری کبھی جیکل کے ایک متوسل سے مڈبھیڑ ہوئی ہے جسے ہائیڈ کہتے ہیں"، انھوں نے پوچھا۔

"ہائیڈ؟" لن یون نے نام دہرایا — "نہیں۔ یہ نام میں نے کبھی نہیں سنا"

وکیل صاحب صرف اتنی معلومات کرکے گھر آگئے، اور اپنے تکلیف دہ بستر پر لیٹے لیٹے صبح تک کروٹیں بدلتے رہے۔ اس رات ان کے محنتی دماغ کو ذرا بھی سکون نہیں ملا۔ ان کے دماغ میں بہت سے سوالات کا ہجوم تھا، اور وہ اندھیرے میں ٹٹول رہا تھا۔

گرجا گھر جو مسٹر اٹرسن کے گھر کے پاس ہی تھا، اس کے گھڑیال نے چھ بجائے لیکن وہ ابھی تک اس سوال کی اُدھیڑ بن میں لگے ہوئے تھے، اب تک اس سوال نے

صرف ان کی ذہنی سطح کو چھوا تھا، لیکن ان کا تخیل بھی کام کر رہا تھا، بلکہ غلاموں کیطرح کام میں جتا ہوا تھا۔ اور جب وہ رات کی تاریکی میں پردوں سے آراستہ کمرے میں بستر پر لیٹے ہوئے کروٹیں بدل رہے تھے، تو مسٹر انفیلڈ کے بیان کئے ہوئے قصے کے واقعات ان کے ذہن کے سامنے روشن تصویروں کی طرح گذر رہے تھے۔ شہر پر رات کی تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے، اور بہت سے لیمپ جگمگا رہے ہیں۔ ایک آدمی تیزی سے چلتا ہوا آتا ہے، پھر ایک بچی ڈاکٹر کے گھر سے دوڑی ہوئی آتی ہے، اور وہ انسانی دیو اس بچی کو کچل کر اس کی چیخ وپکار پر کان دھرے بغیر گذر جاتا ہے، یا وکیل صاحب یہ دیکھتے کہ ایک امیر گھر کا کمرہ ہے جہاں انکا دوست سو رہا ہے، اور خواب میں مسکرا رہا ہے۔ یکایک کمرہ کا دروازہ کھلتا ہے مسہری کے پردے ہٹتے ہیں، سوتا ہوا آدمی جگایا جاتا ہے، اور اس کے برابر وہ پرچھائیں کھڑی ہے جس کے ہاتھ میں سارا اقتدار سونپ دیا گیا ہے۔ اور ایسے ناوقت بھی وہ آدمی اٹھ کر اس کا حکم بجا لاتا ہے یہ پرچھائیں ان دو شکلوں میں رات بھر وکیل صاحب کے خیالات کا تعاقب کرتی رہی۔ اور اگر کسی وقت ان کی آنکھ لگ بھی جاتی تو یہ پرچھائیں سوتے ہوئے گھروں میں دبے پاؤں منڈلاتی ہوئی نظر آتی تھی، یا لمپوں سے روشن شہر کے وسیع اور پر پیچ راستوں سے سر چکرا دینے والی تیزی کے ساتھ گذرتی دکھائی دیتی تھی۔ اور ہر سڑک کے موڑ پر ایک بچے کو کچل کر اسے چیختا چلاتا چھوڑ جاتی تھی۔ پھر بھی اس پرچھائیں کا کوئی چہرہ نہیں تھا جس سے یہ پہچانی جاتی، ان کے خوابوں میں بھی کوئی چہرہ نہیں بنتا تھا، اور اگر بنتا تھا تو آنکھوں کے سامنے آتے آتے گھل جاتا تھا۔ اس طرح وکیل صاحب کے دل پر مسٹر ہائیڈ کے اصلی خد وخال معلوم کرنے کی شدید خواہش، اور بے پایاں تجسس نے غلبہ حاصل کر لیا، ان کا خیال تھا کہ اگر وہ ایک بار اس صورت کو دیکھ لیتے تو یہ پر اسرار بھید ان کا پیچھا چھوڑ دیتا، اور بالکل غائب ہو جاتا، جیسا کہ عام طور سے تمام پر اسرار

چیزوں کے ساتھ ہوتا ہے کہ جب ان کی حقیقت معلوم ہو جائے تو اسرار کی پرچھائیاں تحلیل ہو جاتی ہیں، اس طرح شاید وہ اپنے دوست کی عجیب وغریب ترجیح یا مجبوری کا سبب معلوم کر سکتے اور وصیت نامہ کی حیران کن دفعات کو سمجھ سکتے، اور کچھ نہیں تو یہ چہرہ دیکھنے کے قابل ضرور تھا، ایک ایسے آدمی کا چہرہ جس کی آنکھ میں رحم کا ایک آنسو بھی نہیں۔ ایک ایسا چہرہ جس نے اپنی ایک جھلک سے انفیلڈ کے غیر تاثر پذیر دل میں دائمی نفرت کا ایک طوفان برپا کر دیا تھا۔

اسی دن سے مسٹر اٹرسن نے اس دروازہ کا چکر لگانا شروع کر دیا۔ جو اس بغلی سڑک پر تھا، صبح دفتر کے وقت سے پہلے، دوپہر کو جب کاروبار اپنے شباب پر ہوتا، اور وقت کم۔ رات کو کہرے کی چادر میں لپٹے ہوئے چاند کی روشنی میں، غرض ہر سونی یا بھری گھڑی میں وکیل صاحب اپنی منتخب جگہ پر موجود رہتے۔

"وہ سوچتے کہ اگر وہ مسٹر ہائیڈ ہے، تو میں مسٹر سیک" ۔ (انگریزی میں ہائیڈ کے معنی چھپنا، اور سیک کے معنی تلاش کرنا ہیں۔ مترجم)

آخر کار ان کے صبر کا پھل انھیں مل گیا۔ یہ بڑی اچھی خنک رات تھی۔ ہوا میں پالا تھا، سڑکیں ناچ گھر کے فرش کی طرح صاف ستھری تھیں۔ لیمپ جو ہوا نہ ہونے کی وجہ سے ساکن تھے، روشنی اور پرچھائیوں سے متناسب تصویریں بنا رہے تھے، دس بجے تک دکانیں بند ہو جانے کے بعد بغلی سڑک بہت سونی ہو گئی لوو لندن کے چاروں کونوں سے آنے والی ہلکی غراہٹ کے باوجود بہت خاموش تھی، ہلکی ہلکی آوازیں دور دور تک پھیل جاتی تھیں، گھروں سے آنے والی آوازیں سڑک کے دونوں طرف سنائی دیتی تھیں۔ کسی راہگیر کے آنے کی خبر اس کے بہت آگے آگے چلتی تھی۔ مسٹر اٹرسن کو اپنی جگہ پر آئے ہوئے چند ہی منٹ ہوئے ہوں گے کہ انھوں نے غیر معمولی لیکن ہلکے قدموں کی آواز سنی۔ جو ان کے قریب آرہی تھی، ان میں

ان کی شب گردیوں کی وجہ سے یہ ملکہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ بہت دور سے ایک تنہا آدمی کے قدموں کی چاپ سن لیتے تھے، جو شہر کے عام شور وغل کی آوازوں سے بالکل الگ اور ممتاز ہوتی تھی، لیکن پہلے کبھی کسی آواز نے ان کو اپنی طرف اس شدت سے متوجہ نہیں کیا تھا۔ انھیں ایک توہم پرستانہ پیش بینی کے ساتھ اپنی کامیابی کا احساس ہوا اور وہ احاطے کے دروازے کے پاس چھپ گئے

قدموں کی چاپ بڑی تیزی کے ساتھ ان کے قریب آتی گئی اور سڑک کے موڑ سے گذر کر یکایک بلند آواز میں تبدیل ہو گئی۔ وکیل صاحب دروازہ سے جھانک کر دیکھ سکتے تھے، کہ وہ آدمی کس قسم کا ہے جس سے انھیں سابقہ پڑنے والا ہے وہ چھوٹے سے قد کا آدمی تھا، اور بڑا سادہ لباس پہنے ہوئے تھا، اتنے دور ہی سے اسکی صورت شکل نے وکیل صاحب پر بہت برا اثر پیدا کیا، لیکن وہ وقت بچانے کے لئے سڑک کو پار کر کے سیدھا مکان کے دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازے کے قریب آکر اس نے جیب سے کنجی نکالی۔ جیسے کوئی گھر پہونچ گیا ہو۔

مسٹر اٹرسن نے ایک قدم آگے بڑھکر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھدیا

"آپ مسٹر ہائیڈ ہیں نا؟"

ہائیڈ جھجک کر سنسناتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن اسکا خوف وقتی تھا اس نے وکیل صاحب کی طرف دیکھے بغیر بڑے اطمینان سے کہا "ہاں یہ میرا نام ہے۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"آپ اندر جا رہے ہیں" وکیل صاحب نے جواب دیا۔ "میں ڈاکٹر جیکل کا پرانا دوست ہوں، مسٹر اٹرسن میرا نام ہے، گانٹ اسٹریٹ پر رہتا ہوں، آپ نے میرا نام ضرور سنا ہوگا، آپ کو دیکھ کر میں نے سوچا کہ آپ مجھے بھی اندر لے چلیں گے،"

"آپ کو ڈاکٹر جیکل نہیں ملیں گے، وہ اسوقت گھر سے باہر ہیں" مسٹر ہائیڈ

نے کنجی کو تالے میں ڈالتے ہوئے جواب دیا۔ اور پھر ایک دم سے، لیکن ان کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔ "آپ مجھے کیسے جانتے ہیں؟"

"آپ میرے لئے ایک زحمت کریں گے؟" مسٹر اٹرسن نے پوچھا۔

"بڑی خوشی سے" دوسرے نے جواب دیا "فرمائیے۔ کیا ہے؟"

"ذرا مجھے اپنی صورت دکھا دیجئے" وکیل صاحب نے کہا۔

ہائیڈ تھوڑا ہچکچایا، اور پھر یکایک جیسے کچھ سوچ کر سرکشی کے انداز سے مڑا۔ دونوں آدمیوں نے چند لمحوں تک ایک دوسرے کو غور سے دیکھا۔ "اب میں آپ کو دوبارہ آسانی سے پہچان سکوں گا" مسٹر اٹرسن نے کہا۔ "یہ ملاقات کام آئے گی"

"ہاں" مسٹر ہائیڈ نے جواب دیا۔ "اچھا ہوا ہماری صاحب سلامت ہو گئی۔ اور یہ لیجئے، یہ میرا پتہ ہے۔ شاید کام آئے۔" یہ کہکر اس نے سوہو میں ایک سڑک کا نمبر دیا۔

"یا خدا" مسٹر اٹرسن نے سوچا "کیا یہ بھی اس وصیت کے بارے میں سوچ رہا ہے" لیکن انھوں نے اپنے جذبات کو اپنے ہی تک محدود رکھا۔ اور پتہ حاصل کرنے کی رسید اپنی ہلکی سی بڑبڑاہٹ سے دی۔

"اچھا اب یہ بتائیے" ہائیڈ نے پوچھا "آپ مجھے کیسے جانتے ہیں"

"آپ کا ذکر سنا ہے" جواب ملا۔

"کس سے ذکر سنا ہے؟"

"ہمارے مشترک دوست ہیں" مسٹر اٹرسن نے کہا

"مشترک دوست؟" مسٹر ہائیڈ نے ذرا کرختگی سے اس الفاظ کو دہرایا۔ "کون ہیں مشترک دوست؟"

"مثلاً جیکل" وکیل صاحب نے چپکے سے کہا

"انھوں نے آپ سے کبھی کچھ نہیں کہا" ہائیڈ برہم ہو کر چیخا "مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ جھوٹ بھی بول سکتے ہیں"

"چھوڑیئے اسے" مسٹر اٹرسن بولے "یہ شرافت کی زبان نہیں ہے"

دوسرے آدمی نے ایک وحشی قہقہہ لگایا، اور دوسرے ہی لمحے غیر معمولی تیزی کے ساتھ کھلے ہوئے دروازے میں گھس کر مکان کے اندر غائب ہو گیا۔

مسٹر ہائیڈ کے چلے جانے کے بعد وکیل صاحب تھوڑی دیر وہیں ہکا بکا کھڑے رہے۔ وہ پریشانی اور تشویش کی ایک تصویر تھے۔ پھر وہ آہستہ آہستہ سڑک کی طرف چل دیئے۔ ہر دو تین قدم کے بعد وہ رک جاتے، اور اپنے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر سوچنے لگتے۔ جیسے کوئی آدمی شدید ذہنی الجھن میں مبتلا ہو۔ اسطرح راہ چلتے وہ جس مسئلے پر غور و خوض کر رہے تھے وہ اس قسم کا مسئلہ تھا، جو شاذ و نادر ہی حل ہوتا ہے۔ ہائیڈ زرد رو اور پستہ قد تھا۔ اسے دیکھکر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کی کوئی کل ڈھیلی ہے۔ لیکن کون سی کل یہ بتانا ناممکن تھا۔ اس کی ہنسی بہت ہی ناخوشگن تھی۔ جب وہ وکیل صاحب کے سامنے آیا تو اس کی حرکات میں بودے پن اور ہمت کی ایک قاتلانہ آمیزش تھی۔ باتیں کرتے وقت اس کی آواز بھاری اور ٹوٹی ہوئی تھی۔ یہ تمام خصوصیات اس کے خلاف تھیں۔ لیکن ان تمام خصوصیات کو ملا دینے کے بعد بھی یہ بتانا ممکن نہیں تھا کہ اسے دیکھکر مسٹر اٹرسن پر نفرت اور خوف کا جذبہ کیوں طاری ہوا۔ بھونچکے اور پریشان وکیل صاحب نے سوچا "کوئی دوسری بات ضرور ہے۔ کچھ اور ہے جس کا نام مجھے نہیں معلوم۔ خدا مجھ پر اپنا رحم کرے، وہ آدمی انسان معلوم ہی نہیں ہوتا۔ جیسے زمانہ ماقبل تاریخ کا گپھاؤں میں رہنے والا درندہ ہے۔ یا ممکن ہے کہ یہ ڈاکٹر فل کی پرانی کہانی ہو۔ یا ایک گندی روح کا جلوہ جو جسم خاکی کی

اس طرح کایا پلٹ کر دیتی ہے. شاید یہ آخری ہی بات صحیح ۔ آہ ہنری جیکل بیر ۔۔۔ دوست اگر میں نے کبھی شیطان کی صورت دیکھی ہے تو وہ تمہارے دوست کی صورت ہے"

بغلی سڑک کے موڑ پر ایک قدیم خوبصورت مکانوں کا ایک کٹرہ تھا جواب خستہ حال نظر آتے تھے، وہ سر بفلک حویلیاں جن کے مختلف حصے اب ہر طرح کے آدمیوں کے ہاتھ کرائے پر اٹھا دیے گئے تھے، نقشہ بنانے والے معمار، چار سو بیس قسم کے وکیل، بیہودہ کاموں کے دلال وغیرہ، اب ان میں اسی قسم کے لوگ بستے تھے۔ لیکن موڑ کے بعد جو دوسرا گھر تھا، وہ پورا آباد تھا مسٹر اٹرسن اس دروازے پر پہنچ کر رک گئے جس پر ثروت برس رہی تھی حالانکہ اس وقت وہ اپنی پیشانی کی پنکھے نما کھڑکی کے علاوہ بالکل تاریک تھا مسٹر اٹرسن کی دستک پر ایک خوش پوش بوڑھے نوکر نے دروازہ کھولا۔

"کیا ڈاکٹر جیکل گھر ہیں پول ؟" وکیل صاحب نے دریافت کیا۔

"میں دیکھ کے بتاتا ہوں مسٹر اٹرسن" پول نے ملاقاتی کو اندر بلاتے ہوئے جواب دیا۔ وہ انہیں نیچی چھت کے بڑے سے آرام دہ کمرے میں لے گیا جسے دیہات کے مکانوں کی طرح کھلے ہوئے آتشدان کے ذریعہ سے گرم کیا گیا تھا، وہ شاہ بلوط کی قیمتی الماریوں سے آراستہ تھا۔ "آپ یہاں آتشدان کے سامنے انتظار کریں گے یا میں آپ کے لئے کھانے کے کمرہ میں روشنی کر دوں ؟"

"میں یہاں انتظار کرتا ہوں بشکریہ"۔ وکیل صاحب نے جواب دیا اور آتشدان کے جنگلے پر جھک کر کھڑے ہو گئے۔ یہ کمرہ جس میں اس وقت وہ تنہا کھڑے تھے ان کے دوست ڈاکٹر کا محبوب کمرہ تھا۔ اور اٹرسن کی زبان بھی اس کو لندن کا سب سے خوشگوار کمرہ کہتے ہوئے نہیں تھکتی تھی، لیکن آج کی رات انکے خون کی ایک ایک بوند لرز رہی تھی۔ ہائیڈ کا چہرہ ان کے حافظے پر مسلط تھا، حالانکہ ایسا کم ہی ہوتا

تھا لیکن آج انھیں زندگی سے نفرت کا احساس ہو رہا تھا اور اپنی روح کی اداسی کی وجہ سے وہ چمکدار الماریوں پر آگ کے جھلملاتے ہوئے شعلوں کی روشنی اور چھت پر پھیلنے والے مضطرب سایوں میں وحشت کی علامتیں محسوس کر رہے تھے جب پول نے فوراً واپس آکر بتایا کہ ڈاکٹر جیکل کہیں باہر گئے ہوئے ہیں تو وکیل صاحب کو نجات اطمینان کا احساس ہوا۔ اور اس احساس سے وہ خود ہی شرمندہ ہو گئے۔

"پول میں نے مسٹر ہائیڈ کو پرانی تجزیہ گاہ سے گذرتے دیکھا ہے" انھوں نے کہا۔ "کیا ڈاکٹر جیکل کی عدم موجودگی میں اس شخص کا اسطرح آنا جانا معقول بات ہے"

"بالکل معقول ہے مسٹر اٹرسن" ملازم نے جواب دیا۔ "مسٹر ہائیڈ کے پاس گھر کی ایک کنجی ہے"

"معلوم ہوتا ہے پول، تمہارے مالک اس نوجوان پر بڑا بھروسہ کرتے ہیں" مسٹر اٹرسن نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں، ہے تو یہی بات" پول نے بتایا۔ "ہمیں ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کا حکم ہے"

"میں شاید مسٹر ہائیڈ سے کبھی نہیں ملا" اٹرسن نے پوچھا

"نہیں جناب۔ کبھی نہیں۔ وہ یہاں کھانا کبھی نہیں کھاتے" بٹلر نے جواب دیا۔ "وہ گھر کے اس حصہ میں ہمیں بہت کم نظر آتے ہیں۔ وہ زیادہ تر معمل خانے کی طرف سے آتے جاتے ہیں"

"اچھا پول۔ خدا حافظ"

"خدا حافظ۔ مسٹر اٹرسن"

وکیل صاحب دل پر ایک بوجھ لئے ہوئے اپنے گھر کی طرف چل دئیے۔

"بیچارہ میری جیکل" انھوں نے سوچنا شروع کیا "میرا دل کہتا ہے کہ وہ بڑے گہرے

پانی میں ہے۔ جوانی میں وہ بڑا من چلا تھا۔ اب تو بہت زمانہ ہو گیا۔ لیکن خدا کے آئین میں مدت اور حدود کی کوئی دفعہ نہیں ہے۔ یہی بات ہے۔ کسی پرانے گناہ کا بھوت، کسی پوشیدہ بدنامی کا پھوڑا۔ برسوں بعد آنے والی سزا جب حافظہ اس غلط کاری کو بھلا چکا ہے، اور خود پرستی اس طرف سے چشم پوشی کر چکی ہے۔" وکیل صاحب اس خیال سے خوفزدہ ہو کر کچھ دیر تک اپنے ماضی پر غور کرتے رہے، اور اپنی یادوں کے کونوں کھدروں کو تلاش کرنے لگے۔ کہ شاید کسی پرانی بداعمالی کا بھوت اتفاق سے نکل آئے۔ اُن کا ماضی تقریباً بے داغ تھا۔ بہت کم آدمی اپنے ماضی کے اعمال نامے کو اتنے نڈر ہو کر دیکھ سکتے تھے، پھر بھی وہ بہت سی بری باتوں کا خیال کر کے جو انھوں نے کی تھیں شرمندہ ہو گئے اور پھر ایسی برائیوں کا خیال کر کے جو وہ کرنے کے قریب آئے تھے لیکن بچ گئے تھے وہ متین اور سنجیدہ ہو گئے اور ان پر ایک طرح کی پرخوف احسان مندی کا جذبہ طاری ہو گیا۔ لیکن پھر اپنے موضوع کی طرف واپس آتے ہوئے انھیں امید کی ایک کرن دکھائی دی۔" یہ ہائیڈ تجزیہ کرنے کی چیز ہے" انھوں نے سوچا۔ "یقیناً اس کے بہت سے راز ہوں گے۔ بہت ہی سیاہ راز، اس کی صورت سے ظاہر ہوتا ہے، ایسے راز جن کے سامنے غریب جیکل کی بڑی سے بڑی بدکاری بھی سورج کی روشنی کی طرح تابندہ معلوم ہوگی۔ حالات اسی طرح باقی نہیں رہ سکتے۔ یہ سوچ کر میں لرز اٹھتا ہوں کہ یہ جانور چوروں کی طرح ہیری کی خوابگاہ میں جاتا ہے۔ بیچارہ ہیری۔ اور اور پھر خطرہ کتنا شدید ہے۔ اگر اس ہیری کو وصیت نامے کی بھنک بھی پڑ جائے تو وہ اپنا ورثہ حاصل کرنے کے لئے بیتاب ہو جائے، آہ مجھے اس معاملے میں دخل دینا چاہئے۔ لیکن جیکل دخل دینے بھی دے تب نا" انھوں نے کہا" کاش جیکل مجھے یہ معاملہ سلجھانے کا موقع دے دے"، ایک بار پھر ان کے ذہن میں وصیت نامے کی عجیب وغریب دفعات آ گئیں۔

ڈاکٹر جیکل بالکل مطمئن تھے

دو ہفتے بعد محض حسنِ اتفاق سے ڈاکٹر نے اپنے پانچ چھ پرانے لنگوٹیا یاروں کو ایک نہایت خوشگوار دعوت دی وہ سب ذہین اور باعزت لوگ تھے، اور اچھی شراب کے پرکھنے والے مسٹر اٹرسن نے یہ ترکیب نکالی کہ جب سب چلے گئے تو خود پیچھے رہ گئے۔ یہ کوئی نئی حرکت نہیں تھی۔ بلکہ پہلے بھی وہ یہ حرکت کر چکے تھے۔ جہاں مسٹر اٹرسن پسند کئے جاتے تھے۔ وہاں انکو بے انتہا پسند کیا جاتا تھا۔ میزبان ہلکے پھلکے اور قینچی کی طرح چلنے والی زبان کے مہمانوں کے چلے جانے کے بعد اس خشک وکیل کو روک لینا بہت پسند کرتے تھے۔ وہ اس کی صحبت میں بیٹھنا پسند کرتے تھے یہ گوشہ نشینی کی مشق تھی۔ ہنگاموں کے جوش وخروش کے بعد اس آدمی کی بھرپور خاموشی سے ان کے ذہن پھر سنجیدہ ہو جاتے تھے، اس کلیے سے ڈاکٹر جیکل بھی مستثنیٰ نہیں تھے، اور اب جبکہ وہ آگ کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے ——— وہ بڑے سے صاف ستھرے چہرے کے آدمی تھے جن کی عمر پچاس برس کی ہوگی، اور شاید اس چہرے پر تھوڑی سی چالاکی کی بھی جھلک تھی، لیکن فراخدلی اور مہربانی کے آثار بہت نمایاں تھے ان کی نظروں سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ ان کے دل میں مسٹر اٹرسن کے لئے بڑی پرخلوص اور گہری محبت ہے۔

"میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں جیکل"۔ وکیل صاحب نے شروع کیا "تمھیں اپنا وصیت نامہ تو یاد ہوگا"۔

کوئی بھی باریک بین نگاہ یہ محسوس کر سکتی تھی کہ موضوع ناخوشگوار تھا۔ لیکن

ڈاکٹر نے اسے ہنس کر برداشت کر لیا۔ "اٹرسن میرے دوست" اس نے کہا تم بدقسمت ہو کہ تمھیں مجھ جیسا موکل ملا۔ میں نے کسی آدمی کو اتنا متفکر نہیں دیکھا جتنے تم میرے وصیت نامے سے ہو گئے تھے۔ سوائے اس تنگ خیال بقراط لن یون کے جو میری علمی بدعتوں سے متفکر ہے۔ میں جانتا ہوں وہ اچھا آدمی ہے تمھیں چیں بجبیں ہونے کی ضرورت نہیں ہے ـــ وہ بہت ہی اچھا آدمی ہے اور میں اس سے زیادہ سے زیادہ ملنا چاہتا ہوں۔ لیکن اس کے باوجود وہ بڑا تنگ نظر نظریہ پرست ہے۔ جاہل، بکواسیا بقراط۔ مجھے اتنی مایوسی کسی سے نہیں ہوئی جتنی لن یون سے"

"تم جانتے ہو میں نے اس وصیت نامے کو کبھی پسند نہیں کیا" اٹرسن نے بڑی بے دردی کے ساتھ نئے موضوع کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنا پرانا سلسلہ گفتگو جاری رکھا۔

"میرا وصیت نامہ؟ ہاں ہاں مجھے معلوم ہے" ڈاکٹر نے ذرا تیز لہجہ میں کہا "تم مجھ سے پہلے بھی یہی بات کہہ چکے ہو"

"تو آج میں پھر کہہ رہا ہوں۔" وکیل نے بات جاری رکھی "مجھے نوجوان ہائیڈ کے بارے میں کچھ باتیں معلوم ہوئی ہیں"

ڈاکٹر جیکل کا خوبصورت چہرہ اور ہونٹ پیلے پڑ گئے، اور آنکھوں کے گرد سیاہی چھا گئی "میں اور کچھ نہیں سننا چاہتا" اس نے کہا "یہ ایسا معاملہ ہے جس پر گفتگو نہ کرنے کا ہم وعدہ کر چکے ہیں"

"میں نے بڑی مکروہ باتیں سنی ہیں" اٹرسن نے کہا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا۔ تم میری پوزیشن نہیں سمجھ رہے ہو" ڈاکٹر نے ذرا منتشر اور بے ربط انداز سے جواب دیا "میں مصیبت میں ہوں اٹرسن، میری پوزیشن بہت ہی عجیب و غریب ہے۔ یہ ایسا معاملہ ہے جو گفتگو سے نہیں سدھارا جا سکتا"

"جیکل" اٹرسن نے کہا "تم مجھے جانتے ہو۔ میں قابل اعتبار آدمی ہوں مجھے اپنا رازدار بنالو۔ اور مجھے ذرا بھی شبہ نہیں میں تمہیں اس مصیبت سے نجات دلادوں گا۔"

"اٹرسن میرے دوست" ڈاکٹر نے کہا "تمہاری عنایت ہے بہت بڑی عنایت ہے۔ مجھے تمہارا شکریہ ادا کرنے کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔ میں تم پر پورا بھروسہ کرتا ہوں۔ میں ہر آدمی سے زیادہ تم پر اعتبار کرتا ہوں خود اپنی ذات سے بھی زیادہ اگر انتخاب کرسکوں۔ مگر تم جو سوچ رہے ہو وہ بات نہیں ہے، اور یہ ایسی بری بات بھی نہیں ہے اور تمہارے دل کو اطمینان دلانے کے لئے میں تم سے ایک بات کہوں گا۔ میں جب چاہوں مسٹر ہائیڈ سے پیچھا چھڑا سکتا ہوں۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔ اور میں پھر تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں ایک اور لفظ کا اضافہ کردوں گا، اٹرسن جو یقیناً تم مان جاؤ گے۔ یہ ایک ذاتی معاملہ ہے اور میں تم سے استدعا کرتا ہوں کہ اسے یوں ہی رہنے دو۔"

اٹرسن نے آگ کی طرف دیکھتے ہوئے ذرا سا غور کیا۔

"اس میں ذرا بھی شبہ نہیں تم ٹھیک کہتے ہو" انھوں نے کھڑے ہوتے ہوئے یہ الفاظ ادا کئے۔

"خیر، لیکن چونکہ ہم نے اس موضوع کو چھیڑا ہے، اور مجھے امید ہے کہ آخری بار" ڈاکٹر نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھا "ایک بات ہے جو میں چاہتا ہوں کہ تم سمجھ لو۔ مجھے اس غریب ہائیڈ کی ذات میں بڑی دلچسپی ہے۔ میں جانتا ہوں تم اس سے مل چکے ہو، اس نے مجھے بتایا تھا، اور وہ شاید تمہارے ساتھ گستاخی سے پیش آیا، لیکن مجھے بڑے خلوص کے ساتھ اس نوجوان سے گہری دلچسپی ہے۔ بہت گہری دلچسپی، اور اگر میں دنیا سے اٹھ جاؤں اٹرسن تو میں چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے

یہ وعدہ کرو کہ تم اس کے حقوق اسے دلوا دو گے۔ مجھے یقین ہے کہ تمھیں ایسا کرنے میں کوئی جھجک نہ ہوتی، اگر تم پوری طرح واقعات جانتے۔ اگر تم وعدہ کر لو تو میرے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔"

"میں اس شخص کو کبھی بھی پسند نہیں کروں گا" وکیل صاحب نے کہا۔

"میں اسکا مطالبہ نہیں کرتا" جیکل نے کہا، اور اپنا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر رکھتے ہوئے بولا۔ "میں صرف انصاف کا مطالبہ کرتا ہوں۔ میں تم سے صرف اتنا چاہتا ہوں کہ جب میں یہاں نہ ہوں تو تم میری خاطر اس کی مدد کرو گے۔"

اٹرسن نے ایک آہ کھینچی۔ "خیر میں وعدہ کرتا ہوں"

کیریو کے قتل کی واردات

تقریباً ایک سال بعد اکتوبر کے مہینے میں ایک خوفناک قتل کی خبر نے سارے لندن کو بھونچکا کر دیا۔ اس کی اہمیت اس لئے اور بھی بڑھ گئی کہ مقتول اونچے درجے کا آدمی تھا تفصیلات مختصر تھیں لیکن بحد ہولناک۔ ایک ملازمہ جو دریا کے قریب ایک گھر میں تنہا رہتی تھی رات کو گیارہ بجے کے قریب بالاخانے پر سونے گئی۔ حالانکہ رات ڈھلتے ڈھلتے شہر پر کہرا چھا گیا تھا لیکن شروع رات بادلوں سے خالی تھی اور گلی جس کی طرف ملازمہ کی کھڑکی کھلتی تھی چاندنی سے روشن تھی۔ وہ لڑکی ذرا رومانی مزاج کی تھی۔ کیونکہ وہ اپنی کھڑکی کے پاس رکھے ہوئے بکس پر بیٹھ گئی، اور اپنے خوابوں میں کھو گئی جب وہ یہ قصہ بیان کرتی تو آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا کرتی تھی۔ کہ اس پر تمام انسانوں سے محبت کرنے کا اتنا بے پناہ جذبہ کبھی طاری نہیں ہوا تھا، اور دنیا کے ساتھ اسے اتنی ہمدردی کا احساس کبھی نہیں ہوا تھا۔ جب وہ اس طرح بیٹھی ہوئی تھی تو اس نے

دیکھا کہ ایک خوبصورت بوڑھا آدمی جس کے بال سفید تھے گذر رہا ہے، اور ایک
اور چھوٹے سے قد کا آدمی اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ لیکن شروع میں ملازمہ نے
اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی۔ جب وہ دونوں آدمی اتنے قریب آ گئے کہ بات
کر سکیں (اور اب بالکل اس لڑکی کی نظروں کے سامنے تھے) تو دوسرے آدمی نے
جھک کر دوسرے سے بڑی تہذیب کیساتھ صاحب سلامت کی۔ ایسا معلوم ہوتا
تھا کہ وہ جس موضوع پر بات کر رہا تھا وہ بہت اہم نہیں تھا۔ اس کے اشاروں سے
اندازہ ہوتا تھا کہ وہ راستہ دریافت کر رہا ہے۔ جب وہ باتیں کر رہا تھا تو چاند اس کے
چہرے پر چمک رہا تھا، اور لڑکی نے بڑی مسرت کیساتھ یہ محسوس کیا کہ اس بوڑھے
کی ایک ایک سانس میں معصومیت ہے، اور اس کی انفتاد طبع کی نفاست گذرے
ہوئے زمانے کی یاد دلاتی ہے۔ اس کے ساتھ اس میں ایک طرح کا وقار تھا
جو بہت اچھے قسم کی خود اعتمادی سے پیدا ہوتا ہے۔ فوراً ہی اس لڑکی کی نظر
دوسرے آدمی پر پڑی، اور اس نے حیرت کیساتھ پہچانا کہ وہ مسٹر ہائیڈ ہے۔ جو ایک
بار اس کے مالک سے ملنے آیا تھا، اور اس کے دل میں نفرت کا ایک جذبہ چھوڑ گیا
تھا، اس کے ہاتھ میں ایک موٹا سا بید تھا جس سے وہ اسوقت کھیل رہا تھا، لیکن
اس نے بوڑھے آدمی کے کسی لفظ کا جواب نہیں دیا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے
اس کی بات بڑی بیہودہ بے صبری کے ساتھ سن رہا ہو۔ اور پھر یکایک وہ غصّے
سے بھڑک اٹھا، اور اپنے بید کو اٹھا کر بوڑھے شریف آدمی کی طرف پاگلوں کیطرح
لپکا، بوڑھا جھجک کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ جیسے اس حرکت پر انتہائی حیرت
اور تکلیف کا اظہار کر رہا ہوں۔ اس پر ہائیڈ اپنے قابو سے باہر ہو گیا، اور بوڑھے کو
پیٹ پیٹ کر جان سے مار ڈالا۔ دوسرے ہی لمحے وہ ایک جنگلی جانور کی خونخواری
کے ساتھ مقتول کو اپنے پیروں سے روندنے لگا۔ اور اس پر اپنے بید اور گھونسوں

کی بوچھار کر دی جس کے نیچے اس کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔ اس خوفناک منظر کو دیکھکر لڑکی بے ہوش ہوگئی۔

جب اسے دوبارہ ہوش آیا تو رات کے دو بجے تھے، اور اس نے فوراً پولیس کو خبر دی۔ قاتل مدت ہوئی بھاگ چکا تھا، لیکن مقتول کی زخموں سے چور لاش بیچ گلی میں پڑی تھی۔ چھڑی جس سے یہ قتل کیا گیا تھا، حالانکہ کسی غیر معمولی مضبوط لکڑی کی بنی ہوئی تھی، پھر بھی بیچ سے ٹوٹ گئی تھی۔ اور اس کا آدھا ٹوٹا ہوا ٹکڑا قریب کی ایک نالی میں پڑا ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ دوسرا ٹکڑا قاتل اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ مقتول کی جیب سے ایک بٹوا، اور سونے کی ایک گھڑی نکلی، لیکن کاغذات اور کارڈ نہیں تھے صرف ایک سربمہر لفافہ تھا جسے شاید مقتول ڈاک میں ڈالنے جارہا تھا۔ اور اس پر مسٹر اٹرسن کا پتہ لکھا ہوا تھا۔

دوسرے دن صبح ابھی وکیل صاحب اپنے بستر سے اٹھے بھی نہیں تھے کہ یہ لفافہ ان کے پاس پہونچ گیا، لیکن جیسے ہی انھوں نے یہ لفافہ دیکھا، اور واقعات سنے، ویسے ہی بڑی احتیاط کے ساتھ بولے "جب تک میں لاش کو دیکھ نہ لوں اس وقت تک کچھ نہیں کہوں گا" یہ بہت ہی سنگین واقعہ ہوسکتا ہے۔ مہربانی کرکے آپ ذرا ٹھہرئیے۔ میں کپڑے بدل لوں" انھوں نے اسی گمبھیرتا کے ساتھ جلدی جلدی ناشتہ کیا، اور پولیس اسٹیشن کی طرف روانہ ہوگئے۔ جہاں لاش رکھی ہوئی تھی۔ لاش کی کوٹھری میں داخل ہوتے ہوئے انھوں نے کہا۔

"میں انھیں پہچانتا ہوں۔ بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ سر ڈینورس کیریو ہیں"

"خدا رحم کرے" پولیس افسر نے کہا۔ "کیا یہ ممکن ہے؟" دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھیں اپنی پیشہ ورانہ ہوس سے چمک اٹھیں "اسکا بڑا ہنگامہ ہوگا" اس نے کہا

"شاید آپ مجرم کا پتہ لگانے میں ہماری مدد کر سکیں" اس نے مختصر الفاظ میں سارا واقعہ بیان کر دیا۔ جو لڑکی نے بتایا تھا۔ اور ٹوٹی ہوئی چھڑی کا ٹکڑا دکھایا۔

مسٹر اٹرسن ہائیڈ کا نام سنتے ہی گھبرا گئے تھے، لیکن چھڑی اُنکے سامنے آئی تو انھیں ذرا بھی شبہ باقی نہ رہا۔ ٹوٹی ہوئی ہونے کے باوجود انھوں نے پہچان لیا کیوں کہ کئی سال پہلے انھوں نے خود یہ چھڑی ہنری جیکل کو تحفہ دی تھی۔

"کیا یہ ہائیڈ چھوٹے قد کا آدمی ہے؟" انھوں نے پوچھا

"بہت ہی پستہ قامت اور بد معاش صورت۔ یہ ملازمہ کے الفاظ ہیں" افسر نے جواب دیا۔

مسٹر اٹرسن نے ذرا سا غور کیا اور پھر سر اٹھا کر بولے: اگر آپ میری گاڑی میں میرے ساتھ آئیں تو میں آپ کو اس کے گھر لے چلوں"!

اتنی دیر میں صبح کے نو بج گئے تھے، اور فصل کا پہلا کہرا پڑنے لگا تھا۔ ایک بہت بڑی کتھئی رنگ کی چادر آسمان پر پھیل گئی تھی لیکن ہوا رطوبت کے ان مورچوں کو اپنے مسلسل حملوں سے منتشر کر رہی تھی، اور مسٹر اٹرسن اپنی مختلف سڑکوں پر سے گذرتی ہوئی گاڑی میں سے مختلف قسم کے رنگوں کی آمیزش اور تبدیلی کا تماشا دیکھتے جا رہے تھے، ایک جگہ رات کی سیاہی پھیلی ہوئی ہے دوسری جگہ گہرا بادامی رنگ چمک رہا ہے جیسے آگ لگ گئی ہو کہیں ایک لمحے کے لئے کہرا پھٹ جاتا ہے اور دھوئیں کے چکراتے ہوئے بھنور کو چیر کر دن کی روشنی جھانکنے لگتی۔ ان تبدیل ہوتے ہوئے نظاروں میں سوہو کا اداس علاقہ، اسکے کیچڑ بھرے راستے، پھوہڑ راہگیر اور اس کے لیمپ جو نہ کبھی بجھائے گئے تھے، اور نہ تاریکی کے اس حملے کا مقابلہ کرنے کے لئے پھر سے جلائے گئے تھے۔ یہ سب وکیل صاحب کی نظروں میں کسی ایسے شہر کے مضافات سے مشابہ تھے جو کسی ڈراونے خواب میں نظر آ رہا ہو۔ اسوقت اُن کے

دماغ میں بھی بیحد اداس اور تاریک خیالات چکر لگا رہے تھے، اور جب اٹفو نے اپنے برابر بیٹھے ہوئے ساتھی پر ایک نگاہ ڈالی تو انھیں قانون اور قانون کے افسروں کی طرف سے ایک ایسے خوف کا احساس ہوا جو کبھی کبھی انتہائی ایمان دار آدمی پر بھی حملہ کر دیتا ہے۔

جب گاڑی منزل مقصود کے پاس پہونچی تو کہرا ذرا ہٹ گیا تھا اور انھیں ایک تاریک گلی دکھائی دی، ایک معمولی شراب خانہ، ایک گھٹیا قسم کی فرانسیسی طعام گاہ، دروازوں میں شکستہ حال بچوں کی بھیڑ، بہت سی قومیتوں کی عورتیں، جو ہاتھوں میں کنجیاں لئے ہوئے صبح کی چائے پینے جا رہی تھیں۔ دوسرے ہی لمحے کہرا پھر گہرا ہو گیا، اور وکیل صاحب اور اس بھیانک منظر کے درمیان، ایک گہرا بادامی رنگ حائل ہو گیا۔ یہ تھا ہنری جیکل کے منظور نظر کا گھر جو ڈھائی لاکھ پاؤنڈ ورثے میں پانے والا تھا۔

ایک مرمریں چہرے اور چاندی جیسے سفید بالوں کی بوڑھی عورت نے دروازہ کھولا۔ اس کے چہرے سے بدی جھلک رہی تھی جسے مکاری نے سونت دیا تھا لیکن اس کے آداب نشست و برخاست بہت مہذب تھے، اس نے بتایا کہ یہی مسٹر ہائیڈ کا گھر ہے لیکن وہ اسوقت گھر پر موجود نہیں۔ اس رات وہ بہت دیر سے گھر آیا تھا۔ اور گھنٹے بھر کے اندر ہی واپس چلا گیا۔ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں تھی۔ کیوں کہ اس کی عادتیں بڑی بے ڈھنگی ہیں، اور وہ اکثر گھر سے غائب رہتا ہے مثلاً اس رات بڑھیا نے اُسے تقریباً دو ماہ بعد دیکھا تھا

"اچھی بات ہے" وکیل صاحب نے کہا "ہم اس کے کمرے کا معائنہ کرنا چاہتے ہیں" لیکن جب بڑھیا نے اس پر احتجاج کیا تو وکیل صاحب بولے "میں تمھیں بتا دوں کہ میرے ساتھ کون شخص ہے۔ یہ اسکاٹ لینڈ یارڈ کے انسپکٹر

نیوکومن ہیں۔"

بڑھیا کا چہرہ ایک نفرت انگیز مسرت سے چمک اٹھا۔ "آہا" اس نے کہا "وہ پھنس گیا ہے، اس نے کیا حرکت کی ہے؟" مسٹر ایڈسن اور انسپکٹر نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، اور انسپکٹر نے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے یہاں لوگ اُسے پسند نہیں کرتے۔ اچھا محترمہ اب مجھے ان حضرت کا کمرہ دیکھ لینے دیجئے۔"

اس پوری عمارت میں جہاں اس بڑھیا کے سوا کوئی نہیں رہتا تھا۔ ہائیڈ صرف دو کمرے استعمال کرتا تھا۔ لیکن یہ کمرے بہت سلیقے سے سجائے گئے تھے۔ ایک الماری شرابوں سے بھری ہوئی تھی رکابی چاندی کی تھی۔ دستر خوان اور میز پوش وغیرہ بہت عمدہ تھے۔ ایک بہت خوبصورت تصویر دیوار پر آویزاں تھی جو (وکیل صاحب نے سوچا) شاید ہنری جیکل کا تحفہ تھی کیونکہ وہ تصویروں کا بڑا شوقین تھا۔ قالین بہت دبیز اور حسین رنگوں کے تھے۔ اس وقت کمرے کی تمام علامتیں بتا رہی تھیں کہ اسے بہت جلدی میں خالی کیا گیا ہے۔ فرش پر کپڑے بکھرے تھے اور ان کی جیبیں باہر نکلی ہوئی تھیں آتش دان میں بھورے رنگ کی راکھ کا ڈھیر تھا جیسے بہت سے کاغذ جلائے گئے ہوں، اس راکھ میں سے انسپکٹر نے ایک سبز رنگ کی جلی ہوئی چیک بک نکالی جس پر آگ کا اثر نہیں ہو سکا تھا۔ ایک کواڑ کے پیچھے ٹوٹی ہوئی چھڑی کا آدھا حصہ رکھا ہوا تھا۔ جسے پاکر افسر بہت خوش ہوا۔ بینک میں دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ قاتل کے نام پر کئی ہزار پاؤنڈ جمع ہیں۔ انسپکٹر کو اور بھی اطمینان ہو گیا۔

اس نے مسٹر ایڈسن سے کہا "آپ اطمینان رکھئے۔ ملزم میرے پنجے میں ہے معلوم ہوتا ہے کہ اسکا دماغ پھر گیا ہے ورنہ وہ چھڑی کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے کو کمرے میں کبھی نہ چھوڑتا، اور چیک بک جلانے کا تو خیال بھی نہ کرتا، روپیہ تو انسان کی زندگی ہے ہمیں اور کچھ نہیں کرنا ہے بس بینک پر اسکا انتظار کریں گے۔ اور اشتہار تقسیم

کردیں گے۔"

یہ آخری کام اتنا آسان نہیں تھا کیونکہ ہائیڈ کو بہت ہی کم لوگ جانتے تھے ملازمہ کے مالک نے بھی اسکو صرف دو بار دیکھا تھا۔ اس کے خاندان کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ اس کی کوئی تصویر بھی نہیں تھی، اور چند آدمی جو اسکا حلیہ بیان کر سکتے تھے، ان کے بیانات بہت مختلف تھے۔ وہ سب صرف ایک بات پر متفق تھے، اور وہ اس منفرد کی ناقابل بیان بدہیئتی تھی۔ جس کا احساس وہ اپنے دیکھنے والوں میں چھوڑ جاتا تھا۔

خط کا واقعہ

جب مسٹر اٹرسن ڈاکٹر جیکل کے گھر پہونچے تو شام ہو رہی تھی۔ پول نے انہیں فوراً اندر بلالیا، اور وہ بورچی خانے سے ہوتا ہوا، ایک احاطے سے گذر کر جو پہلے کبھی باغ تھا، انھیں اس عمارت میں لے لیا جسے تجربہ گاہ کہا جاتا تھا، ڈاکٹر نے ایک مشہور سرجن کے وارثوں سے یہ گھر خریدا تھا۔ اور چونکہ چیر پھاڑ سے زیادہ انھیں کیمیا سے دلچسپی تھی اسلئے باغ کے پہلو کی عمارت کی قسمت بدل گئی تھی۔ اپنی عمر میں پہلی بار وکیل صاحب اپنے دوست کے مکان کے اس حصے میں آئے تھے، اور انھوں نے۔ اس بغیر کھڑکی کی تاریک عمارت پر تجسس آمیز نگاہیں ڈالیں۔ اور اس میں سے گذرتے ہوئے ذرا ناگواری اور اجنبیت کیساتھ چاروں طرف دیکھا۔ یہ بڑا کمرہ پہلے مشتاق طالب علموں سے بھرا رہتا تھا، اور اب خاموش اور ویران تھا۔ میزیں کیمیاوی آلات سے لدی ہوئی تھیں فرش پر ٹوکریاں اور بھوسا بکھرا ہوا تھا، اور موہوم سی روشنی کہر آلودہ گنبد کی چھتری سے چھن چھن کر آرہی تھی۔ دوسرے سرے پر زینہ تھا جس کی سیڑھیاں سرخ بانات سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ اس پر چڑھ کر مسٹر اٹرسن ڈاکٹر کے کمرے میں داخل ہوئے

یہ ایک بڑا سا کمرہ تھا جس میں شیشے کی دیواری الماریاں لگی ہوئی تھیں. کمرہ دوسری چیزوں کے علاوہ ایک جھولنے آئینے، اور ایک میز سے سجا ہوا تھا۔ اور تین گرد آلود کھڑکیاں جن میں لوہے کی سلاخیں لگی تھیں احاطے کی طرف کھلتی تھیں، آتش دان میں آگ جل رہی تھی۔ طاق میں ایک لیمپ روشن تھا کیونکہ کہرا گھروں کے اندر داخل ہونے لگا تھا۔ وہاں آتش دان کے قریب ڈاکٹر جیکل بیٹھے ہوئے تھے، اور صورت سے بیمار معلوم ہوتے تھے، وہ اپنے مہمان کے استقبال کے لئے نہیں اٹھے بلکہ سرد مہری سے اپنا ہاتھ مصافحے کے لئے بڑھا دیا۔ اور ذرا بدلی ہوئی آواز میں خیر مقدم کیا۔

جیسے ہی پول کمرے سے باہر گیا ڈاکٹر اٹرسن بولے "تم نے خبر تو سن ہی لی ہوگی؟

ڈاکٹر کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔" ہاں لوگ چوراہے پر چیخ رہے تھے میں نے کھانے کے کمرے میں ان کی آواز سنی"

"ایک بات" وکیل صاحب بولے "کیریو میرا موکل تھا، اور تم بھی ہو۔ اور میں جو کچھ کر رہا ہوں اسے سوچ سمجھ لینا چاہتا ہوں. کہیں تم نے اس قاتل کو پناہ تو نہیں دی ہے. ایسا پاگل پن تو نہیں کر رہے ہو؟"

"اٹرسن میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں" ڈاکٹر نے جواب دیا" اب میں اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھونگا۔ میں تم سے ایمانداری کے ساتھ کہتا ہوں کہ اب اس دنیا میں میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ اس نے سب پر پانی پھیر دیا۔ اور اب اسے میری مدد کی ضرورت نہیں ہے. تم اسے اتنا نہیں جانتے جتنا میں جانتا ہوں۔ وہ بالکل محفوظ ہے. میرے الفاظ یاد رکھو ــــ اب تم اس کا نام بھی کبھی نہیں سنو گے ــ"

وکیل صاحب افسردگی کے ساتھ سنتے رہے. انہیں اپنے دوست کا

جوش و خروش پسند نہیں آیا۔ تمھیں اس کے متعلق بڑا اعتماد معلوم ہوتا ہے۔ تمہاری خاطر میں چاہتا ہوں کہ تم نے جو کچھ کہا ہے وہ سچ ہو، اگر مقدمے کی نوبت آئی تو تمہارا نام بھی اسمیں گھسیٹا جائے گا۔"

"ہاں مجھے اعتماد ہے" جیکل نے جواب دیا "اس وثوق اور یقین کی وجہ ہے جو میں کسی کو نہیں بتا سکتا۔ مگر ایک بات ہے جس کے متعلق میں تمہاری رائے چاہتا ہوں۔ میرے پاس ایک خط آیا ہے، اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں وہ خط پولس کو دکھاؤں یا نہیں۔ میں یہ معاملہ تم پر چھوڑتا ہوں اٹرسن۔ مجھے یقین ہے کہ تم معقول فیصلہ کر سکو گے مجھے تم پر بڑا اعتماد ہے۔"

"کیا تمھیں یہ خطرہ ہے کہ اس خط کے ذریعے سے اسکا پتہ لگ جائے گا؟" وکیل صاحب نے پوچھا،

"نہیں" ۔ ڈاکٹر نے جواب دیا "مجھے ذرا بھی پرواہ نہیں کہ ہائیڈ کا کیا حشر ہوگا۔ میں نے اس سے قطع تعلق کر لیا ہے۔ میں خود اپنے کردار کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ جسے اس نفرت انگیز واردات نے بالکل بے نقاب کر دیا ہے۔"

مسٹر اٹرسن تھوڑی دیر تک فکر میں ڈوبے بیٹھے رہے، انھیں اپنے دوست کی خود غرضی پر حیرت تھی۔ اور ساتھ ہی ایک طرح کی تسکین۔ "اچھا" آخر انھوں نے خاموشی توڑی "وہ خط کہاں ہے۔ دیکھوں۔"

خط کا انداز تحریر بالکل سیدھا تھا۔ اور اس پر "ایڈورڈ ہائیڈ" کے دستخط تھے۔ اور اس میں بہت مختصر الفاظ میں یہ لکھا تھا کہ اس کے محسن ڈاکٹر جیکل جنکی ہزاروں نیکیوں کا صلہ اس نے اپنی بداعمالیوں سے دیا تھا، اس کی حفاظت کے بارے میں پریشان نہ ہوں، کیوں کہ اسکے پاس بچنے کے بہت سے طریقے ہیں جن پر اسے پورا بھروسہ ہے۔" وکیل صاحب کو یہ خط پسند آیا۔ کیوں کہ اس سے دونوں کی دوستی کی نوعیت واضح ہوگئی

نفی اور وکیل صاحب نے اپنے پچھلے شبہات پر نفرین کی۔

"لفافہ تمہارے پاس ہے؟" انھوں نے پوچھا

"میں نے اسے جلا دیا" جیکل نے جواب دیا۔ "یہ سوچنے سے پہلے کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ لیکن اس پر ڈاک کی کوئی مہر نہیں تھی۔ کیونکہ خط کسی آدمی کے ہاتھ بھیجا گیا تھا۔"

"کیا میں اسے اپنے پاس رکھ کر بھول جاؤں؟" اٹرسن نے پوچھا

"میں چاہتا ہوں کہ میری طرف سے تم ہی فیصلہ کرو" جواب ملا۔ "میں اپنی خود اعتمادی کھو چکا ہوں۔"

"میں سوچوں گا" وکیل صاحب نے جواب دیا۔ "ایک بات اور۔ تمہارے وصیت نامے میں تمہارے غائب ہونے کے متعلق دفعات ہائیڈ نے لکھائی تھیں؟"

ڈاکٹر پر غشی سی طاری ہونے لگی۔ انھوں نے اپنا منہ زور سے بند کر کے گردن ہلا دی۔

"میں جانتا ہوں" وکیل صاحب نے کہا۔ "وہ تمہیں قتل کرنا چاہتا تھا تم بال بال بچے ہو۔"

"مجھے سبق مل گیا ہے۔ او خدا" ڈاکٹر نے آہستہ آہستہ کہا۔ "اٹرسن مجھے بھی کیا سبق ملا ہے۔" اور ڈاکٹر نے اپنا منہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔

گھر سے باہر جاتے ہوئے وکیل صاحب نے رک کر پول سے دو ایک باتیں کیں۔ "آج یہاں ایک خط آیا ہے" انھوں نے پوچھا "خط لانے والا آدمی کس حلیے کا تھا؟" لیکن پول کو یقین تھا کہ آج کے دن اس گھر میں سوائے ڈاک کے

اور کوئی چیز نہیں آئی۔" اور اس میں بھی صرف گنتی چٹھیاں تھیں"

اس خبر سے بکیل صاحب کے دل میں پھر نئے شبہات اور خطرات پیدا ہو گئے، ظاہر ہے کہ خط تجربہ گاہ کے دروازہ سے آیا ہو گا۔ ممکن ہے بلکہ یقین ہے کہ یہ خط اسی کمرے میں بیٹھ کے لکھا گیا ہو گا۔ اور اگر یہ سچ ہے تو اس سلسلے میں ذرا زیادہ احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ جب وہ باہر نکلے تو اخبار بیچنے والے لڑکے سڑک کی پٹریوں پر گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہے تھے: "اسپیشل ایڈیشن پارلیمنٹ کے ایک ممبر کا لرزہ خیز قتل" یہ ایک دوست اور موکل کی لاش پر آخری تقریر تھی۔ اور ان کے دل میں یہ خوف پیدا ہوا کہ کہیں ایک اور معزز اور شریف آدمی کا نام بھی اس بدنامی کی کیچڑ میں لت پت نہ ہو جائے۔ انھیں بہت ہی نازک فیصلہ کرنا تھا۔ وہ عادتاً خود اعتماد آدمی تھے اور ان میں کسی سے مشورہ حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ لیکن وہ براہ راست مشورہ نہیں حاصل کر سکتے تھے، اور انھوں نے سوچا کہ اس کے لئے انھیں کوئی ترکیب نکالنی پڑے گی۔

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے گھر کے آتش دان کے ایک طرف بیٹھے ہوئے تھے اور دوسری طرف ان کا ہیڈ کلرک گیسٹ تھا اور ان دونوں کے درمیان ایک مخصوص شراب کی بوتل رکھی تھی۔ جو گھر کے تہہ خانے میں بہت عرصہ تک پختہ ہوتی رہی تھی۔ شہر کے کناروں پر کہرا ابھی تک چھایا ہوا تھا۔ جہاں کے لیمپ پھوڑوں کی طرح دکھائی دے رہے تھے، اور کہرے کے بادلوں سے اس گھٹی ہوئی فضا میں شہر کی زندگی کا جلوس بڑی بڑی سڑکوں سے گذر رہا تھا۔ اور ایسی آواز پیدا کر رہا تھا جیسے تیز ہوا چل رہی ہو۔ لیکن آگ سے روشن کمرے کی فضا خوشگوار تھی۔ بوتل کے اندر تیزابی کیفیتیں مدت ہوئی متانت اختیار کر چکی تھیں۔ اس کے شاہانہ رنگ میں لطافت پیدا ہو گئی تھی، جیسے پرانی ہو جانے کے بعد رنگین کھڑکیاں زیادہ خوبصورت

ہوجاتی ہیں۔ اور پہاڑی ڈھلوانوں پر لہلہانے والے انگور کے باغوں میں پلنے والی موسم خزاں کی گرم شاموں کی چمک آزاد ہو کر لندن کے کہرے کو منتشر کر دینے کی تیاری کر رہی تھی۔ وکیل صاحب غیر محسوس طور پر ٹہل گئے۔ کوئی اور ایسا آدمی نہیں تھا جو گیسٹ سے زیادہ اُن کا رازدار ہو۔ اور انھیں کبھی یہ یقین نہیں رہتا تھا کہ وہ اس سے اتنی باتیں چھپا سکے ہیں۔ جتنی چاہتے تھے۔ گیسٹ اکثر کاروبار کے سلسلے میں ڈاکٹر کے گھر جا چکا تھا۔ وہ پول کو جانتا تھا، اور یہ ناممکن ہے کہ اس نے اس گھر میں ہائیڈ کے گہرے تعلقات اور بے تکلفی کے بارے میں نہ سنا ہو۔ ممکن ہے وہ کوئی رائے قائم کرے۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ وہ اس خط کو دیکھ لے جس سے یہ معمہ کچھ حل ہو جائے، اور اس کے علاوہ چونکہ گیسٹ دستی تحریروں کا ماہر اور نقاد بھی ہے۔ اسی لئے وہ اس خط کو دیکھ کر شکر گذار بھی ہوگا۔ پھر یہ کلرک صائب رائے کا آدمی تھا۔ ناممکن ہے کہ وہ ایسی عجیب و غریب دستاویز پڑھ کر کچھ نہ کہے۔ اور اس کے فقرے سے ممکن ہے کہ مسٹر اٹرسن اپنے آئندہ اقدامات کا فیصلہ کر سکیں

"سر ڈینورس کی واردات بہت افسوسناک ہے،" انھوں نے کہا

"جی ہاں۔ پبلک اس پر بہت برافروختہ ہے" گیسٹ نے جواب دیا۔

"قاتل یقیناً دیوانہ تھا"

"میں اس معاملے میں تمہاری رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں،" وکیل صاحب نے کہا، میرے پاس اسکے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک دستاویز ہے۔ یہ بات صرف ہم دونوں کے درمیان رہنی چاہئے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس بارے میں کیا کروں۔ یہ بہت ہی بیہودہ معاملہ ہے۔ لیکن کیا کیا جائے۔ یہ ایک قاتل کے دستخط ہیں"

گیسٹ کی آنکھیں چمک اٹھیں اور بڑے شوق سے خط کا مطالعہ

کرنے لگا "نہیں صاحب" اس نے کہا۔ "وہ دیوانہ نہیں ہے۔ لیکن رسم الخط ذرا انوکھا ہے"

"اور ہر طرح سے بہت ہی انوکھا لکھنے والا" وکیل صاحب نے اضافہ کیا۔

اسی وقت نوکر ایک پرچہ لیکر آیا

"کیا یہ ڈاکٹر جیکل کا پرچہ ہے؟" کلرک نے دریافت کیا۔ "میں سمجھتا ہوں کہ میں اس تحریر کو پہچانتا ہوں۔ کوئی نجی معاملہ تو نہیں ہے مسٹر اٹرسن۔"

"صرف کھانے کی دعوت ہے۔ کیوں۔ کیا تم اسے دیکھنا چاہتے ہو؟"

"ہاں۔ ایک منٹ کے لئے۔ شکریہ" کلرک نے دونوں تحریروں کو پاس پاس رکھکر بڑے غور سے انکا مقابلہ کیا۔ اور کہا "شکریہ۔ یہ بہت دلچسپ دستخط ہیں"۔ اس نے دونوں کاغذ واپس کر دیئے۔

تھوڑی دیر خاموشی رہی اور مسٹر اٹرسن اپنے جذبات سے جد وجہد کرتے رہے۔ "تم نے ان کا تقابل کیا گیسٹ۔" انھوں نے ایک دم سے پوچھا۔

"جی" کلرک نے کہا "دونوں تحریریں بہت زیادہ ملتی ہیں۔ کئی جگہ بالکل یکساں ہیں۔ صرف حرفوں کی ڈھلان ذرا مختلف ہے"

"یہ تو بڑی عجیب وغریب بات ہے" اٹرسن نے کہا۔

"آپ صحیح فرماتے ہیں۔ بہت ہی عجیب وغریب" گیسٹ نے جواب دیا۔

"میں اس پرچے کے بارے میں کسی سے ذکر نہیں کروں گا۔ تم سمجھتے ہو نا" وکیل صاحب نے کہا۔

"میں ہرگز اس کا تذکرہ نہیں کروں گا۔ کلرک نے کہا۔ "میں سمجھتا ہوں"

اسی رات کو مسٹر اٹرسن نے وہ خط اپنی تجوری میں بند کر دیا۔ جہاں وہ اس دن کے بعد سے محفوظ رکھا رہا۔ "یہ کیا ہے؟" انھوں نے سوچا "ہنری جیکل ایک قاتل کے لئے جعل سازی کر رہا ہے:" اور ان کے جسم میں ایک پھریری دوڑ گئی۔

ایک غیر معمولی واقعہ

وقت گذرتا گیا۔ ہائیڈ کی گرفتاری کے لئے ہزاروں روپے کا انعام تھا۔ کیونکہ سر ڈینورس کے قتل نے پبلک میں بڑا اشتعال پیدا کر دیا تھا لیکن ہائیڈ پولس کو چرکہ دے کر ایسا غائب ہو گیا تھا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ اس کے بہت سے پچھلے واقعات دریافت کر لئے گئے تھے اور سب کے سب رسوا کن تھے۔ اس شخص کی شقی القلبی کی داستانیں، اس کی ذلیل، کمینی اور شرمناک زندگی کے واقعات، اس کے عجیب و غریب ساتھیوں کے حالات، اور اس نفرت کے قصے جو اس کی پوری زندگی کو گھیرے ہوئے تھی، لیکن اب وہ کہاں تھا، اس کا کسی کو علم نہیں تھا۔ قتل کی صبح جب وقت سے اس نے اپنا سوہو کا کمرہ چھوڑا تھا وہ بالکل لاپتہ تھا۔ اور جیوں جیوں وقت گذرتا گیا۔ مسٹر اٹرسن کی وحشت دور ہوتی گئی اور ان کے دل کا سکون بڑھتا گیا۔ ان کے خیال کے مطابق ہائیڈ کا لاپتہ ہو جانا سر ڈینورس کے قتل کا خوں بہا تھا۔ بدی کی یہ پرچھائیں ہٹ جانے کے بعد ڈاکٹر جیکل کے لئے بھی نئی زندگی کا آغاز ہوا۔ انھوں نے اپنی عزلت گزینی ترک کر دی، دوستوں سے اپنے تعلقات ٹھیک کر لئے اور پھر اپنی محبوب میزبانی کے فرائض انجام دینے لگے۔ وہ اپنی دریا دلی اور سخاوت کے لئے تو پہلے سے مشہور تھے لیکن اب مذہبی عقیدت اور پاکیزگی کے لئے بھی ممتاز ہو گئے۔ وہ معروف رہتے تھے۔ کھلی فضا میں سانس

لیتے تھے۔ اور نیکیاں کرتے رہتے تھے۔ ان کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔ جیسے خدمت خلق کے روحانی احساس سے چمک رہا ہو۔ وہ اس طرح دو تین مہینے تک بڑے مزے کی زندگی بسر کرتے رہے۔

آٹھویں جنوری کو مسٹر اٹرسن نے ڈاکٹر جیکل کے گھر احباب کے ایک چھوٹے سے حلقے میں بیٹھ کر کھانا کھایا۔ لن یون بھی وہاں تھا، اور میزبان دونوں کو اسطرح دیکھ رہا تھا جیسے پرانے دنوں میں جب یہ تینوں کبھی الگ نہیں ہوتے تھے، لیکن ۱۲ اور پھر ۱۴ ار جنوری کو ڈاکٹر کے گھر کے دروازے وکیل صاحب کے لئے نہیں کھلے۔ ڈاکٹر صاحب گھر میں ہیں؟" پول نے کہا "لیکن کسی سے ملتے نہیں" ۱۵ ار جنوری کو وکیل صاحب نے ملاقات کی پھر کوشش کی لیکن ناکامی ہوئی، اور اب دو مہینے تک اپنے دوست سے روزانہ ملنے کی عادت پڑ جانے کے بعد وکیل صاحب کو اپنے دوست کی عزلت گزینی شاق گذرنے لگی۔ پانچویں رات کو انھوں نے گیسٹ کو اپنے گھر کھانے پر بلایا، اور چھٹی رات ڈاکٹر لن یون کے گھر پہونچ گئے۔

وہاں انھیں کم سے کم گھر میں داخل ہونے کی مخالفت نہیں کی گئی۔ لیکن جب وہ اندر گئے تو انھیں ڈاکٹر کے چہرے کی تبدیلی دیکھ کر بڑا صدمہ ہوا، ان کے چہرے پر موت کے آثار تھے، گلابی چہرہ پیلا پڑ گیا تھا گوشت لٹک آیا تھا۔ ان کے سر کا گنجاپن بڑھ گیا تھا، اور وہ زیادہ بوڑھے معلوم ہو رہے تھے۔ لیکن دراصل یہ جسمانی زوال کی علامتیں نہیں تھیں جنہوں نے وکیل صاحب کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کیا، بلکہ ڈاکٹر کی نگاہیں اور عجیب قسم کی حرکات وسکنات بتلا رہی تھیں کہ ان کے دل میں کوئی دہشت بیٹھی ہوئی ہے۔ یہ تو قرین قیاس نہیں تھا کہ ڈاکٹر موت سے خائف ہو لیکن اسوقت مسٹر اٹرسن کو ایسا ہی معلوم ہوا۔ "ہاں" انھوں نے سوچا یہ ڈاکٹر ہیں اور انھیں اپنی اصلی حالت معلوم ہے۔ یہ جانتے ہیں کہ ان کی زندگی کے دن

اب گنے ہوئے ہیں۔ اور یہ علم ان کے لئے ناقابل برداشت ہے۔" لیکن جب وکیل صاحب نے ان کی بیار زنگا ہوں اور چہرے کا ذکر کیا تو لن یون نے بڑے وثوق کے ساتھ کہا: "میں تباہ ہوگیا۔ میرے دل میں دہشت بیٹھی ہوئی ہے اور میں اس سے بچ نہیں سکتا۔ صرف چند ہفتوں کی بات ہے۔ خیر میں نے اچھی زندگی گذاری ہے اور وہ مجھے پسند تھی، ہاں میں اسکا دلدادہ تھا۔ میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ اگر ہم سب کچھ جانتے تو اس دنیا میں رہنا پسند نہ کرتے۔

"جیکل بھی بیمار ہے" اٹرسن نے کہا "تم نے اسے دیکھا ہے؟"

لن یون کا رنگ اڑ گیا، اور اس نے اپنا کانپتا ہوا ہاتھ اٹھا کر کہا: "میں نہ تو ڈاکٹر جیکل سے ملنا چاہتا ہوں۔ نہ اس کے بارے میں کچھ سننا چاہتا ہوں" اس کی آواز بہت بلند تھی: "میں اس سے بہت برگشتہ خاطر ہوں، اور میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے سامنے ایسے آدمی کا اشاروں میں بھی ذکر مت کرو جو میرے نزدیک مر چکا ہے۔"

"ٹٹ، ٹٹ" وکیل صاحب نے اپنی زبان بجائی اور پھر ذرا سی خاموشی کے بعد بولے "کیا میں کچھ نہیں کر سکتا؟ ہم تینوں بہت پرانے دوست ہیں لن یون۔ ہم نئے دوست بنانے کے لئے زندہ نہیں رہیں گے۔"

"کچھ نہیں کیا جا سکتا" لن یون نے جواب دیا۔ "اسی سے پوچھو!"

"لیکن وہ مجھ سے ملاقات نہیں کریگا" وکیل صاحب نے کہا۔

"مجھے اس پر کوئی تعجب نہیں" لن یون نے کہا "کسی دن اٹرسن، شاید میرے مرنے کے بعد تمھیں اس معاملے میں جھوٹ سچ معلوم ہو گا۔ میں کچھ نہیں بتا سکتا۔ ویسے اگر تم بیٹھ سکو، اور مجھ سے دوسری باتیں کر سکو تو بڑے شوق سے بیٹھو۔ لیکن اگر تم اس منحوس موضوع کو ترک نہیں کر سکتے تو خدا کے لئے یہاں سے چلے

جاؤ۔ کیونکہ میں اس موضوع کو برداشت نہیں کر سکتا۔"

گھر پہونچکر اٹرسن نے جیکل کو خط لکھا جس میں شکایت کی کہ تم نے مجھے اپنے گھر میں گھسنے نہیں دیا۔ اور لن یون سے تعلقات منقطع کرنے کا سبب پوچھا، دوسرے دن انھیں خط کا جواب ملا جس کے الفاظ بڑے غمناک اور حسرت انگیز تھے۔ اور بعض جملے بہت پر اسرار معلوم ہوتے تھے۔ لن یون کے جھگڑے کا کوئی علاج نہیں تھا۔ "میں اپنے پرانے دوست کو الزام نہیں دیتا" جیکل نے لکھا تھا "لیکن میں اس کی اس رائے سے متفق ہوں کہ ہمیں ایک دوسرے سے اب کبھی نہیں ملنا چاہئے۔ میں آئندہ بہت تنہائی اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں اگر میرے گھر کے دروازے تمہارے لئے بھی بند ہیں تو تمہیں تعجب نہیں کرنا چاہئے۔ اور نہ میری دوستی پر کسی قسم کا شبہ کرنا چاہئے۔ تم مجھے میرے تاریک راستوں پر چلنے دو۔ میں نے اپنے لئے ایسی سزا اور ایسا خطرہ مول لے لیا جس کا نام میں نہیں بتا سکتا۔ اگر میں سب سے بڑا گنہگار ہوں تو میں سب سے بڑے عذاب میں بھی مبتلا ہوں۔ کبھی میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اسی زمین پر عذاب اور دہشت کی بھی ایک خوفناک جگہ ہے۔ اٹرسن تم میری قسمت کے اس بوجھ کو ہلکا کرنے کے لئے ایک کام کر سکتے ہو اور وہ یہ کہ میری خاموشی کا احترام کرو۔" وکیل صاحب کی حیرت کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ ہائیڈ کے تاریک اثرات ختم ہو چکے تھے۔ ڈاکٹر اپنے پرانے کاموں اور دلچسپیوں میں مشغول ہو گیا تھا۔ ابھی پچھلے ہفتہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی زندگی ہنسی خوشی گذرے گی۔ لیکن اب ایک لمحے میں اس کی زندگی کی روش ہی بدل گئی۔ دوستی کا جذبہ اور اطمینان قلب سب غارت ہو گیا، اتنی بڑی اور یکایک تبدیلی پاگل پن کی علامت ہے۔ لیکن لن یون کے الفاظ اور حرکات و سکنات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تہہ میں کوئی اور ہی گہرا راز ہے۔

ایک ہفتے بعد ڈاکٹر لن یون بلنگ سے لگ گئے اور دو ہفتے سے بھی
کم میں اسکا خاتمہ ہوگیا۔ مسٹر اٹرسن اپنے دوست کو دفن کر کے آئے تو وہ بہت متاثر تھے
رات کو انھوں نے اپنے کمرہ کا دروازہ بند کر لیا، اور ایک موم بتی کی اداس روشنی میں
ایک لفافہ نکالا جس پر ہاتھ سے پتہ لکھا تھا، اور ان کے مرحوم دوست کی مہر لگی ہوئی
تھی "نجی - صرف جے، جی - اٹرسن کے لئے - اور اگر ان کا انتقال مجھ سے پہلے ہوجائے
تو یہ لفافہ بغیر کھولے ہوئے ضائع کر دیا جائے" لفافہ کے اندر جو کچھ تھا اس پر وکیل
صاحب کو نظر ڈالنے کی بھی ہمت نہیں تھی۔ "میں آج ایک دوست کو دفن کر کے آیا
ہوں" انھوں نے سوچا "کیا دوسرے دوست کو بھی دفن کرنا پڑیگا" انھوں نے
اپنے اس خوف کو بے وفائی پر محمول کیا، اور مہر توڑ دی۔ لفافہ کے اندر ایک اور لفافہ
تھا، اسپر بھی مہر لگی ہوئی تھی۔ اور پشت پر لکھا تھا "جب تک ڈاکٹر جیکل مر نہ جائیں یا
غائب نہ ہوجائیں تب تک نہ کھولا جائے" اٹرسن کو اپنی آنکھوں پر اعتبار نہیں آرہا
تھا۔ یہاں بھی غائب ہونے کی بات لکھی تھی جیسے اس وصیت نامے میں جسے وہ
مدت ہوئی واپس کر چکے تھے۔ اور یہاں بھی ہنری جیکل کا نام قوسین میں لکھا تھا
لیکن وصیت نامے میں تو یہ بات اس شخص ہائیڈ کے مشورہ سے لکھی گئی تھی۔ اس
کے پیچھے ایک مقصد تھا، جو بہت ہی واضح اور خوفناک تھا۔ لیکن لن یون کے ہاتھ کے
لکھے جانے کے بعد اسکا کیا مطلب ہے؟ وکیل صاحب معتمد تھے لیکن ان کے
دل میں تجسس پیدا ہوا، اور مخالفت کی پرواہ کئے بغیر وہ ان اسرار کی گہرائیوں میں
کود جانا چاہتے تھے، لیکن پیشے کی عزت کے خیال اور اپنے مرے ہوئے دوست
کے ساتھ وفاداری کے احساس نے انھیں ان کا فرض یاد دلایا۔ اور لفافہ انکی
نجی تجوری کے ایک محفوظ گوشے میں بند کر دیا گیا۔

تجسس کا گلا گھونٹ دینا ایک بات ہے اور اس پر فتح حاصل کر لینا

دوسری بات۔ اور اس میں شبہ ہے کہ اس دن کے بعد سے اٹرسن نے اپنے زندہ دوست کی صحبت کی خواہش کبھی پرانے ذوق وشوق سے کی ہو۔ وہ محبت کے ساتھ اسکو یاد کرتے تھے۔ لیکن ان کے خیالات پر بے چینی اور دہشت کا غلبہ تھا۔ وہ اسکے دروانہ پر دستک دینے ضرور گئے، لیکن اندر جانے کی اجازت نہ ملنے پر شاید مطمئن ہو گئے۔ ممکن ہے کہ انھوں نے دروازے پر کھڑے ہو کر پول سے باتیں کرنے کو ترجیح دی ہو، کیونکہ اس خود ساختہ پابندیوں کے گھر میں داخل ہو کر اس میں رہنے والے مخفی اور سمجھ میں نہ آنے والے تارک الدنیا سنیاسی سے باتیں کرنے سے کہیں زیادہ۔ بہتر باہر کھلی ہوئی فضا میں کھڑے ہو کر کھلے شہر کی آوازیں سنتا تھا۔ پول کے پاس کوئی خوشگوار خبر نہیں تھی۔ ڈاکٹر زیادہ تر تجربہ گاہ کی چھت کے کمرہ میں بند رہتا تھا اور کبھی کبھی وہیں سو بھی جاتا تھا۔ وہ اداس رہتا تھا۔ بہت خاموش ہو گیا۔ پڑھنا بالکل ترک کر چکا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کے دل میں ایک بوجھ ہے۔ ان خبروں میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوتی تھی۔ اور اٹرسن نے آہستہ آہستہ اس کے گھر کے چکر کم کر دیئے

کھڑکی کا واقعہ

ایک اتوار کے دن ایسا اتفاق ہوا کہ مسٹر اٹرسن مسٹر انفیلڈ کے ساتھ جب اپنی چہل قدمی کے لئے نکلے تو اسی پرانی بغلی سڑک پر پہونچے، اور جب دونوں اس دروازہ کے سامنے آئے، تو لگ کر اسے دیکھنے لگے۔

انفیلڈ نے کہا۔ " وہ قصہ تو ختم ہو گیا۔ اب ہائیڈ کبھی نہیں دکھائی دے گا۔ "

" خدا نہ کرے کہ وہ دکھائی دے " مسٹر اٹرسن نے کہا " میں نے تمہیں

کبھی یہ بات بتائی کہ نہیں کہ جب میں نے اسے ایک بار دیکھا تو تمہاری طرح میرے دل میں بھی نفرت کا جذبہ پیدا ہوا؟"

"اسے دیکھ کر نفرت نہ کرنا ناممکن ہے" انفیلڈ نے جواب دیا: "اور ہاں تم نے مجھے کتنا بڑا بیوقوف سمجھا ہوگا۔ کہ مجھے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ یہ ڈاکٹر جیکل کے گھر کا پچھلا دروازہ ہے۔ پھر بھی جب مجھے اسکا پتہ لگا تو تمہاری غلطی سے"

"تو تمھیں معلوم ہو گیا" اٹرسن نے کہا "اگر یہ بات ہے تو آؤ ذرا حاطے کے اندر چلکر کھڑکیوں پر ایک نظر ڈالیں۔ میں تمھیں سچی بات بتا دوں۔ میں اس غریب جیکل کی طرف سے ذرا متفکر ہوں، اور میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ کسی دوست کی قربت اس کے لئے مفید ہو گی۔"

حاطہ بہت سرد تھا اور اس میں تھوڑی سی سیلن بھی تھی اور قبل از وقت دھند لکا چھا گیا تھا حالانکہ سر پر ڈوبتے ہوئے سورج کی کرنوں سے روشن تھا۔ تینوں کھڑکیوں میں سے بیچ کی کھڑکی آدھی کھلی ہوئی تھی۔ اس میں اٹرسن نے ڈاکٹر جیکل کا اداس چہرہ دیکھا جو ایک بیکس قیدی کی طرح بیٹھا ہوا تازہ ہوا کھا رہا تھا۔

"کیا ہے جیکل۔ جیکل۔" وکیل صاحب چیخنے لگے "تمہاری صحت تو اب اچھی ہے؟"

"میں بہت پست ہو رہا ہوں اٹرسن" ڈاکٹر نے دلگیر آواز میں جواب دیا "بہت پست۔ یہ کیفیت زیادہ دنوں تک نہیں رہے گی — خدا کا شکر ہے۔"

"تم بند بہت رہتے ہو۔" وکیل صاحب نے کہا۔ "تمھیں ذرا باہر نکل کر اپنے خون کی گردش تیز کرنی چاہئے۔ انفیلڈ کی طرح اور میری طرح (یہ میرے رشتے کے بھائی ہوتے ہیں مسٹر انفیلڈ — ڈاکٹر جیکل) آؤ اپنا ہیٹ لیکر نیچے آؤ

اور ہمارے ساتھ ذرا چہل قدمی کر دیہ"

"تم بہت اچھے آدمی ہو" ڈاکٹر نے ایک آہ کھینچی۔ میں بھی تمہارے ساتھ آنے کے لئے بہت بیتاب ہوں۔ لیکن نہیں۔ نہیں۔ نہیں۔ یہ ناممکن ہے میں ہمت نہیں کر سکتا۔ لیکن اٹرسن تمہیں دیکھکر مجھے واقعی بڑی خوشی ہوئی۔ یہ انتہائی مسرت کی بات ہے۔ میں تمہیں اور مسٹر انفیلڈ کو اوپر بلا لیتا، مگر یہ جگہ اس قابل نہیں ہے۔"

"پھر تو" وکیل صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا "یہ سب سے اچھا ہے کہ ہم یہیں نیچے کھڑے رہیں، اور یہیں سے تم سے باتیں کریں۔"

"میں خود بھی یہی تجویز کرنے والا تھا" ڈاکٹر نے مسکرا کر جواب دیا لیکن یہ الفاظ اس کی زبان سے نکلے ہی تھے کہ تبسم اس کے چہرے پر بجھ کر رہ گیا، اور چہرے پر دہشت اور مایوسی کی ایسی خوفناک کیفیت پیدا ہوئی کہ نیچے کھڑے ہوئے دونوں آدمیوں کا خون جم گیا۔ انھوں نے اس کی صرف ایک جھلک دیکھی کیونکہ کھڑکی فوراً بند ہو گئی۔ لیکن وہ ایک جھلک ہی کافی تھی۔ اور وہ دونوں بغیر کچھ کہے ہوئے احاطے سے باہر نکل آئے۔ بغلی سڑک پر بھی انھوں نے خاموشی کے ساتھ راستہ طے کیا۔ جب وہ قریب کی ایک بڑی سڑک پر پہونچے جہاں اتوار کے دن بھی کچھ رونق رہتی تھی تو مسٹر اٹرسن نے آخر کار مڑ کر اپنے ساتھی کی طرف دیکھا۔ دونوں چہرے پیلے پڑے ہوئے تھے، اور آنکھوں میں ایک دہشت بیٹھی ہوئی تھی۔

"خدا ہمارے گناہوں کو معاف کر دے۔ خدا ہمارے گناہوں کو معاف کرے" مسٹر اٹرسن نے کہا۔

لیکن مسٹر انفیلڈ نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ صرف اپنا سر ہلایا، اور دونوں چپ چاپ چلتے رہے۔

آخری رات

مسٹر ایڈسن رات کا کھانا کھا چکنے کے بعد آتش دان کے سامنے بیٹھے تھے کہ پول گھر میں داخل ہوا۔ اسے دیکھکر وکیل صاحب کو حیرت ہوئی۔

"خدا رحم کرے۔ پول کیسے آنا ہوا؟" انھوں نے پوچھا اور پھر اسکے چہرے کی طرف دیکھکر دوبارہ کہا "تمھیں کیا چیز تکلیف پہونچا رہی ہے۔ کیا ڈاکٹر بیمار ہیں"

"مسٹر ایڈسن" پول نے کہا۔ "کوئی گڑبڑ معلوم ہوتی ہے"

"بیٹھ جاؤ۔ یہ لو۔ شراب کا ایک جام پیو" وکیل صاحب نے کہا "اور اب اطمینان سے بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟"

"آپ تو ڈاکٹر صاحب کے طور طریقوں سے واقف ہیں" پول نے جواب دیا۔ "اور وہ کس طرح کمرے میں بند ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اب وہ پھر کمرے میں بند ہیں۔ اور مجھے پسند نہیں، اگر میں یہ پسند کروں تو مجھے موت آجائے مسٹر ایڈسن مجھے ڈر لگتا ہے"

"صاف صاف بتاؤ آخر تمھیں کیا ڈر ہے؟"

"میں ایک ہفتے سے ڈر رہا ہوں"۔ پول نے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے جواب دیا۔ "اور اب میں اسے برداشت نہیں کر سکتا"

اس آدمی کا چہرہ اس کے الفاظ کی تصدیق کر رہا تھا۔ اسکے حرکات وسکنات بدلے ہوئے تھے۔ اور جب اس نے اپنے خوف کا پہلی بار اظہار کیا تھا اس کے بعد سے اس نے وکیل صاحب سے آنکھیں نہیں ملائی تھیں۔

اور اب بھی وہ شراب کے جام کو اپنے گھٹنوں پر رکھے بیٹھا تھا، اس نے اسے چکھا تک نہیں تھا۔ اس کی نظریں فرش کے ایک کونے پر جمی ہوئی تھیں۔ "میں اب اسے برداشت نہیں کر سکتا۔" اس نے دہرایا۔

"بولو" وکیل صاحب نے کہا۔ "کوئی وجہ ضرور ہوگی۔ کوئی بڑی گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔ مجھے بتانے کی کوشش کرو۔ آخر کیا بات ہے"

"میں سمجھتا ہوں کوئی دغابازی ہوئی ہے" پول نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"دغابازی؟" وکیل صاحب ڈری ہوئی آواز میں چیخ اٹھے۔ "کیسی دغابازی۔ آخر مطلب کیا ہے؟"

"مجھ میں پوری بات کہنے کی ہمت نہیں ہے" پول نے جواب دیا "آپ خود میرے ساتھ آکر دیکھ لیجئے"

مسٹر اٹرسن جواب دینے کے بجائے اپنا ہیٹ اور بڑا کوٹ لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے حیرت سے دیکھا کہ ٹبلر کے چہرے پر اطمینان جھلکنے لگا، اور اتنی ہی حیرت اس پر تھی کہ اس نے شراب کو اب تک نہیں چکھا تھا، اور اٹھتے ہوئے اسے یوں کا یوں ہی رکھ دیا۔

یہ مارچ کی وحشی اور سرد رات تھی۔ آسمان پر پیلا چاند تھا جیسے ہوا نے اسے ہتھوڑوں سے پیٹ کر چپٹا کر دیا ہو، اور ایک ململ کی طرح اڑتا ہوا صاف شفاف بادل۔ ہوا بات نہیں کرنے دیتی تھی۔ اور اس کے تھپیڑوں سے چہرے پر خون کے دھبے پڑ جاتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے جھاڑو دے کر سڑک کو راہ گیروں سے صاف کر دیا ہے۔ مسٹر اٹرسن نے سوچا کہ انھوں نے سوچا کہ لندن کے اس حصے کو انھوں نے اتنا سنسان کبھی نہیں دیکھا، ان کی خواہش کے برعکس تھی۔ انھیں اپنی زندگی میں کبھی اتنی شدت کے ساتھ اپنے ہم جنسوں کو

چھونے کی خواہش پیدا نہیں ہوئی تھی وہ چاہے جتنی جدوجہد کر رہے ہوں لیکن ان کے دل کے اندر کسی حادثے کا ایک بیٹھیں احساس تھا جو ان کی روح کو کچل رہا تھا۔ جب وہ کڑے کے پاس پہونچے تو وہ ہوا اور گرد سے بھرا ہوا تھا۔ اور باغ کے پتلے پتلے درخت لوہے کے جنگلوں پر چابک کی مار رہے تھے۔ پول جواب تک دو قدم آگے ہی چل رہا تھا یکایک بیچ میں رک گیا، اور اتنی شدید سردی کے باوجود اپنا ہیٹ اتار کر اپنی پیشانی رومال سے پوچھنے لگا۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ بہت تیز چل رہا تھا لیکن یہ محنت کا پسینہ نہیں تھا جو اس نے پوچھا تھا۔ بلکہ ایک گلا گھونٹ دینے والی اذیت اور کرب کا پسینہ تھا۔ کیونکہ اسکا چہرہ سفید پڑ گیا تھا، اور جب وہ بولا تو اسکی آواز ٹوٹی ہوئی تھی۔

لیجئے ہم پہونچ گئے" اس نے کہا " خدا کرے سب کچھ ٹھیک ہو جائے"

"آمین۔ پول" وکیل صاحب نے کہا۔

نوکر نے بہت ہی محتاط انداز سے دستک دی۔ دروازے کی کنڈی کھلی اور اندر سے ایک آواز نے پوچھا "تم ہو پول؟"

"ہاں۔ سب ٹھیک ہے" پول نے جواب دیا" دروازہ کھولو!"

جب وہ اندر داخل ہوئے تو کمرہ روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ آتشدان میں آگ کا ڈھیر تھا۔ اور اس کے چاروں طرف گھر کے تمام نوکر عورت مرد سب بھیڑوں کی طرح ایک دوسرے میں پیوست کھڑے تھے۔ مسٹر اٹرسن کو دیکھکر گھر کی ملازم لڑکی سسک سسک کر رونے لگی، اور بورچن چلائی "خدا کا شکر کرو۔ یہ مسٹر اٹرسن ہیں" اور اس طرح آگے بڑھی جیسے انھیں اپنی گود میں اٹھا لیگی۔

یہ کیا۔ تم سب کے سب یہاں ہو؟ وکیل صاحب نے کچھ جھلا کر کہا "بہت ہی نامعقول بات ہے۔ بہت ہی نامناسب۔ تمہارے مالک

ناخوش ہوں گے۔"

"یہ سب ڈرے ہوئے ہیں، پول نے بتایا۔

اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ کسی نے کچھ احتجاج نہیں کیا صرف ملازمہ لڑکی نے اپنی آواز بلند کی، اور زور زور سے رونے لگی۔

"چپ رہ"، پول نے یہ دو لفظ کچھ اسقدر جھلا کر کہے جس سے خود اسکے اپنے اعصاب کی جھنجھلاہٹ ظاہر ہوتی تھی۔ اور واقعی جب لڑکی اتنی بلند آواز سے نالہ و بکا کرنے لگی تو سب نے خوفزدہ ہو کر اندر کے دروازہ کی طرف دیکھا۔ اب بٹلر نے ایک ملازم لڑکے سے کہا "مجھے ایک موم بتی دو ہم فوراً اپنے کام میں لگ جائیں گے" اس کے بعد اس نے مسٹر اٹرسن سے اپنے ساتھ آنے کو کہا، اور انھیں پائیں باغ کی طرف لے چلا۔

اس نے کہا "آپ جتنے نرم قدموں سے چل سکیں چلئے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اندر کی آوازیں سنیں اور آپ کی آواز کوئی نہ سنے، اور دیکھئے اگر وہ آپ کو اندر بلائیں تو ہرگز نہ جایئے گا۔"

مسٹر اٹرسن کے اعصاب نے اس غیر متوقع بات پر اتنے زور کا جھٹکا دیا کہ انکا توازن قائم نہیں رہ سکا لیکن انھوں نے اپنے حواس مجتمع کئے اور بٹلر کے پیچھے پیچھے تجربہ گاہ کی عمارت میں چیر پھاڑ کے کمرے سے گذر کر داخل ہوئے جو زینے کے پاس تک ٹوکریوں اور بوتلوں سے بھرا ہوا تھا۔ یہاں پول نے انھیں کھڑے ہو کر کان لگانے کا اشارہ کیا، اور خود موم بتی کو زمین پر رکھ کر، اور بڑی ہمت کر کے سیڑھیوں پر چڑھ گیا، اور کانپتے ہاتھوں سے سرخ بانات سے منڈھے ہوئے دروازے پر دستک دی۔

"مسٹر اٹرسن آپ سے ملنا چاہتے ہیں"، اس نے پکار کر کہا، اور جب وہ

یہ کہہ رہا تھا تو اس نے پھر وکیل صاحب کو کان لگانے کا اشارہ کیا۔

اندر سے آواز آئی "ان سے کہدو میں کسی سے نہیں مل سکتا۔"

"شکریہ" پول نے کہا۔ اس کی آواز ایک طرح کی فتحمندی کا احساس تھا اور موم بتی اٹھا کر وہ مسٹر اٹرسن کو آنگن سے ہو کر بڑے سے بورچی خانے میں لے گیا جہاں آگ بجھی ہوئی تھی، اور فرش پر بھونرے رینگ رہے تھے۔

اس نے مسٹر اٹرسن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا "کیا وہ میرے مالک کی آواز تھی؟"

"وہ بہت بدلی ہوئی معلوم ہو رہی تھی" وکیل صاحب نے جواب دیا۔ ان کا چہرہ فق تھا، لیکن پھر بھی انھوں نے نظریں نیچی نہیں کیں۔

"بدلی ہوئی؟ ہاں میرا بھی یہی خیال ہے" بٹلر نے کہا۔ "کیا میں اس گھر میں بیس برس سے اس لئے ہوں کہ مالک کی آواز بھی نہ پہچانوں۔ نہیں صاحب مالک کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ یہ واقعہ آٹھ دن پہلے ہوا ہے جب ہم نے انھیں خدا کے نام پر چیختے ہوئے سنا تھا۔ اور اب ان کی جگہ اندر کون ہے، اور وہ اندر کیوں ہے؟ یہ ایسی بات ہے جو خدا سے فریاد کر رہی ہے مسٹر اٹرسن۔"

"یہ بڑی عجیب و غریب داستان ہے پول۔ یہ خوفناک داستان ہے" مسٹر اٹرسن نے اپنی انگلیاں کاٹتے ہوئے کہا۔ "فرض کرو کہ یہ ٹھیک ہے جو تم سوچ رہے ہو۔ مان لو کہ ڈاکٹر جیکل قتل کر دیئے گئے ہیں، تو سوال یہ ہے کہ قاتل کو یہاں ٹھہرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ بات تو سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ بات عقل کے خلاف ہے۔"

مسٹر اٹرسن آپ کو مطمئن کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ مگر میں بھی کر کے دکھاؤں گا" پول نے کہا۔ "پورے پچھلے ہفتے وہ ــــ وہ جو بھی کوئی ہو۔ جو اس کمرے میں رہا ہے

رات دن کسی دوا کے لئے چلاتا رہا ہے جو اس کی مرضی کے مطابق نہیں ملتی ہے۔ یہ میرے مالک کا طریقہ تھا کہ وہ کاغذ کی ایک پرزی پر آرڈر لکھ کر زینے پر پھینک دیتے تھے، پچھلے ہفتے ہمیں ان کاغذ کے پرزوں اور بند دروازے کے سوا کچھ نظر نہیں آرہا ہے، اور کھانا بھی یہیں رکھ دیا جاتا ہے۔ تاکہ جب کوئی دیکھ نہ رہا ہو تو اندر اٹھا لیا جائے تو صاحب ہر دن، دن میں دو تین بار اسے دوا کے آرڈر اور شکایتیں آتی ہیں، اور مجھے پورے شہر کے کیمسٹوں کی دوکانوں کا چکر لگانا پڑتا ہے۔ ہر بار جب میں دوا لیکر آتا ہوں تو مجھے دوسرا پرزہ ملتا ہے، اور وہ دوا واپس کر دینے کا حکم ملتا ہے کیوں کہ وہ خالص نہیں ہے، اور مجھے کسی دوسری دکان پر آرڈر لیکر جانا پڑتا ہے۔ اس دوا کی بڑی شدید ضرورت ہے۔ نہ جانے کیوں؟"

"ان میں کا کوئی پرزہ تمہارے پاس ہے؟" مسٹر اٹرسن نے پوچھا۔

پول نے اپنی جیب ٹٹولی، اور ایک مڑا ہوا کاغذ کا پرزہ نکالا جسے وکیل صاحب نے موم بتی کی روشنی میں جھک کر بہت غور سے دیکھا، اس میں یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔ "ڈاکٹر جیکل مسرز ما کو اپنی تہنیت بھیجتا ہے اور انھیں یقین دلانا چاہتا ہے کہ آخری نمونہ خالص نہیں ہے، اور اس کے موجودہ مقصد کے لئے بالکل بیکار ہے ۱۸ء میں ڈاکٹر جیکل نے مسرز ما سے اس کی بہت بڑی مقدار خریدی تھی۔ وہ ان سے درخواست کرتا ہے کہ ذرا محنت سے اس دوا کی جستجو کریں، اور اگر پرانی دوا بچ رہی ہو تو اسے فوراً بھیجدیں۔ قیمت اور خرچ کا کوئی سوال نہیں ہے، اس کی اہمیت ڈاکٹر جیکل کے لئے بہت ہے۔" یہاں تک تو خط ذرا معقول تھا لیکن یکایک قلم کی ایک جنبش کیساتھ لکھنے والے کے جذبات ابل پڑے تھے "خدا کے لئے!" اس نے لکھا تھا، "مجھے کہیں سے پرانی دوا تلاش کر کے دو۔"

یہ بڑا عجیب وغریب خط ہے۔" مسٹر اٹرسن نے کہا، اور پھر ذرا تیزی

سے بولے "تم نے اسے کھولا کیسے ؟"

"اسے پڑھکر ما کاڈو کا ندار بہت خفا ہوگیا، اور اسے میرے اوپر پھینک دیا" پول نے جواب دیا۔

"اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ یہ ڈاکٹر کی تحریر ہے۔ تم تو انکا خط پہچانتے ہو؟" وکیل صاحب بولے۔

"ہاں میں نے بھی یہی سمجھا کہ یہ ڈاکٹر صاحب کی تحریر ہے" نوکر نے کچھ روٹھ کر جواب دیا، اور پھر دوسری آواز میں بولا۔ "تحریر سے کیا ہوتا ہے۔ میں نے اسے دیکھا ہے"

"دیکھا ہے؟" وکیل صاحب نے دہرایا۔ "پھر؟"

"ایسا ہوا" پول نے کہا۔ "میں باغ سے یکایک چیر پھاڑ کے کمرے میں آگیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوا کی تلاش میں باہر نکلا تھا، یا جو بھی کچھ ہو۔ کیونکہ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اور وہ چیر پھاڑ کے کمرے کے دوسرے سرے پر بیٹھا ہوا ٹوکریوں کو ٹٹول رہا تھا جب میں اندر آیا تو اس نے مجھے دیکھا، اور چیخ مار کر جلدی جلدی زینے پر چڑھ گیا۔ میں نے اسے صرف ایک لمحہ کے لئے دیکھا، لیکن میرے رونگھٹے کھڑے ہو گئے۔ صاحب اگر وہ میرا مالک تھا تو اس نے منہ پر نقاب کیوں پہن رکھا تھا۔ اگر وہ میرا مالک تھا تو چوہے کی طرح چیخا کیوں۔ اور مجھے دیکھکر بھاگا کیوں۔ میں نے بہت دنوں اپنے مالک کی خدمت کی ہے۔ اور پھر........" وہ خاموش ہوگیا۔ اور اپنے ہاتھ سے اپنا چہرہ پونچھنے لگا۔

"یہ بڑے عجیب وغریب حالات ہیں" مسٹر اٹرسن بولے "لیکن میرا خیال ہے کہ اب بات میری سمجھ میں آرہی ہے۔ پول۔ تمہارے مالک کو کوئی ایسی بیماری ہوئی ہے جو اذیت بھی پہونچاتی ہے۔ اور بدہیئت بھی بنا دیتی ہے۔ اسی لئے

اس کی آواز بھی بدل گئی ہے۔ اسی لئے وہ نقاب پہنتا ہے۔ اور دوستوں سے بھاگتا ہے۔ اور اسی لئے وہ اس دوا کے لئے اتنا بے تاب ہے جس کے استعمال سے اس غریب کو اچھے ہو جانے کی امید ہے۔ خدا کرے کہ اسے دھوکہ نہ ہو۔ میں یہ سمجھا ہوں۔ یہ کافی افسوس ناک ہے پول۔ اور بہت تکلیف دہ لیکن یہ وجہ معقول اور واضح معلوم ہوتی ہے، اور ہمارے دل سے بڑے بڑے خطرات کا احساس دور کر دیتی ہے۔

"جناب" یہ کہتے ہوئے بٹلر کے چہرے پر پیلے پیلے دھبے سے پڑ گئے "وہ شخص مالک نہیں تھا۔ یہ سچی بات ہے۔ میرے مالک کا" اس نے چاروں طرف مڑ کر دیکھا اور سرگوشی کرنے لگا۔ "قد لمبا ہے اور جسم کی بناوٹ اچھی ہے۔ لیکن یہ شخص تو بالکل بونا معلوم ہوتا تھا"۔ اٹرسن اس پر احتجاج کرنا چاہتا تھا۔ لیکن پول نے موقع نہیں دیا۔ "کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں بیس برس بعد بھی اپنے مالک کو نہیں پہچانتا ہوں۔ کیا مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ کمرے کے دروازے میں ان کا سر کہاں تک پہونچتا ہے۔ اس دروازے میں میں نے انھیں ہر صبح دیکھا ہے نہیں جناب وہ ڈاکٹر جیکل نہیں تھا۔ خدا جانے وہ کیا تھا لیکن ڈاکٹر جیکل تو ہرگز نہیں تھا۔ اور میرے دل کو یقین ہے کہ یہاں قتل ہوا ہے"۔

"پول" وکیل صاحب نے جواب دیا۔ "اگر تم یہ کہتے ہو تو پھر تحقیق کرنا میرا فرض ہو جاتا ہے۔ میرے دل میں تمہارے مالک کے جذبات کا احترام بہت زیادہ ہے، اور اس کاغذ کے پرزے نے مجھے بڑی الجھن میں مبتلا کر دیا ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے مالک ابھی تک زندہ ہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ میرا فرض ہے کہ میں اس دروازہ کو توڑ دوں"۔

"واہ مسٹر اٹرسن۔ یہ ہوئی بات" بٹلر نے خوش ہو کر کہا۔

"اب دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے" اٹرسن نے کہا "یہ کام کون کرے گا؟"

"کیوں۔ میں اور آپ" بے جھجک جواب ملا۔

"تم نے ٹھیک کہا" وکیل صاحب بولے۔ "اور اسکا جو بھی کچھ نتیجہ ہو تمھیں کوئی نقصان نہیں پہونچے گا"

"کمرے میں ایک کلہاڑی رکھی ہے" پول نے کہا۔ "اور آپ آگ کریدنے کی سلاخ بورچی خانے سے اٹھا لیجئے"

وکیل صاحب نے اس بھدے اور بھاری اوزار کو اپنے ہاتھ میں سنبھال لیا۔ "تم جانتے ہو پول"۔ وکیل صاحب نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کہ ہم کافی خطرہ مول لے رہے ہیں"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں" پول نے جواب دیا۔

"بہتر یہ ہے کہ ہم صاف صاف باتیں کرلیں" وکیل صاحب نے جواب دیا "ہمارے دل میں جتنی باتیں ہیں اتنی زبان پر نہیں۔ اس لئے ہمیں دل کا بوجھ ہلکا کر لینا چاہئے۔ کیا تم اس نقاب پوش کو پہچانتے ہو؟ جسے تم نے دیکھا ہے"

"صاحب وہ بڑی تیزی سے بھاگا۔ اور بالکل دوہرا ہو گیا تھا۔ میرے لئے اس سے مخاطب ہونا بھی ناممکن تھا۔" جواب ملا "لیکن اگر آپ کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہائیڈ تھا یا نہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ تھا۔ اسکا قد وقامت ویسا ہی تھا، اور ویسے ہی ہلکے اور تیز قدم تھے، اور پھر سوال یہ ہے کہ تجربہ گاہ کے دروازے سے اور کون آسکتا ہے؟ آپ یہ تو نہیں بھولے ہوں گے کہ قتل کے واقع کے وقت کنجی اس کے پاس تھی، لیکن یہی نہیں بلکہ .... مجھے معلوم نہیں مسٹر اٹرسن کہ آپ ہائیڈ سے کبھی ملے ہیں یا نہیں۔"

"میں اس سے ایک بار بات کر چکا ہوں،" وکیل صاحب نے کہا۔

تب تو آپ کو بھی ہماری سب کی طرح یہ معلوم ہو گا کہ اس آدمی میں کچھ عجیب و غریب کیفیت ہے۔ کوئی ایسی چیز جو آدمی کو اس کی طرف سے منحرف کر دیتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنی بات کیسے سمجھاؤں۔ بس یہ کہہ سکتا ہوں جیسے روح کانپ اٹھتی ہے۔"

تم جو بتاتے ہو کچھ ایسی ہی کیفیت مجھ پر طاری ہوئی تھی۔" مسٹر اٹرسن نے کہا۔"

"جی۔" پول بولا۔ "جب وہ نقاب پوش بندر کی طرح اچک کر کمرے میں گھس گیا تو میری روح کانپ گئی۔ میں جانتا ہوں مسٹر اٹرسن کہ یہ معقول شہادت نہیں ہے اتنا تو میں نے پڑھا ہی ہے۔ لیکن آدمی کے جذبات اپنے ہوتے ہیں، اور میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ ہائیڈ تھا!"

"ہوں۔" وکیل صاحب نے کہا۔ "مجھے بھی یہی خطرہ ہے۔ ان تعلقات کا نتیجہ برا ہونے ہی والا تھا۔ میں تمہاری بات مانتا ہوں اور مجھے بھی یقین ہے۔ کہ بیچارہ ہنری قتل کر دیا گیا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اسکا قاتل (خدا ہی جانے کیوں) ابھی تک مقتول کے کمرے میں گھوم رہا ہے۔ ہمیں اسکا انتقام لینا ہے۔ ۔ بریڈشا کو بلا لو۔ ۔"

دربان آواز دینے پر آ گیا۔ وہ گھبرایا ہوا تھا۔ اور اسکا چہرہ بالکل سفید تھا

"بریڈشا اپنے حواس ٹھیک کر لو۔" وکیل صاحب نے کہا "یہ امید و بیم کی حالت ہم سب کے لئے پریشان کن ہے لیکن اب ہم اسے ختم کر دینے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ ہیں اور پول دونوں زبردستی اس کمرہ میں گھسنے جا رہے ہیں، الزام کا بوجھ اٹھانے کے لئے میرے کندھے کافی مضبوط ہیں، ہمارے انتظام میں کوئی کسر نہیں رہ جانی چاہئے۔ اور کوئی بدمعاش پچھلے دروازہ سے نکل کر بھاگنے نہ پائے۔ تم اور یہ لڑکا دو لاٹھیاں لے کر

چلے جاؤ، اور تجربہ گاہ کے دروازہ پر کھڑے ہو جاؤ۔ ہم تمھیں اس کام کے لئے دس منٹ دیتے ہیں۔"

ہریڈسنا کے جانے کے بعد وکیل صاحب نے اپنی گھڑی دیکھی "اچھا پول اب ہمیں اپنی جگہ پہونچ جانا چاہئیے۔" یہ کہہ کر انھوں نے آگ کریدنی اپنی بغل میں دبالی۔ اور حاطے کی طرف آگے آگے چلے۔ ایک بادل کا ٹکڑا چاند کے سامنے آ گیا تھا، اور بالکل اندھیرا تھا۔ ہوا جس کے صرف چند جھونکے اس عمارت کے کونوں میں آتے تھے ان کے قدموں سے موم بتی کی بکھری ہوئی روشنی کو ادھر اُدھر پھیلا دیتی تھی۔ پھر وہ تجربہ گاہ کے محفوظ کمرے میں پہونچ گئے۔ اور خاموشی سے بیٹھ کر انتظار کرنے لگے۔ چاروں طرف لندن کی دھیمی گنگناہٹ چھائی ہوئی تھی۔ لیکن ان کے آس پاس کی خاموشی کو بالاخانے کے کمرے میں چلتے ہوئے قدموں کی آواز توڑ رہی تھی۔

"یہ اسی طرح سارے دن چلا کرتا ہے" پول نے سرگوشی کی" اور رات میں بھی کافی دیر تک، جب دوا فروش کی دوکان سے کوئی نیا نمونہ آتا ہے۔ تو یہ تھوڑی دیر کے لئے چلنا بند ہو جاتا ہے۔ یہ یقیناً ایک تاریک ضمیر ہے جو امن وسکون کا دشمن ہے۔ اس کے ہر قدم سے معلوم ہوتا ہے کہ خون بڑی بے رحمی کے ساتھ بہایا گیا ہے۔ پھر سنئے ذرا کان لگا کر۔ کہئے مسٹر اٹرسن کیا یہ ڈاکٹر کے قدموں کی آواز ہے؟"

"قدم باوجود آہستہ چلنے کے ہلکے اور اکھڑے پڑ رہے ہیں۔ جیسے ذرا موڑ کر زمین پر رکھے جاتے ہوں۔ یہ چال ہنری جیکل کی بھاری بھرکم چال سے بالکل مختلف تھی۔ اٹرسن نے ایک آہ کھینچی۔ کیا اس کے سوا کوئی دوسری آواز نہیں سنائی دیتی؟"

"پول نے سر ہلایا۔ "بس ایک بار" اس نے کہا "بس ایک بار میں نے

اسے روتے سنا ہے "۔

روتے ہوئے ؟ یہ کیسے ؟" وکیل صاحب نے پوچھا۔ ان پر ایک طرح کا خوف طاری تھا۔

" جیسے کوئی بوڑھی عورت رو رہی ہو، یا کوئی گم شدہ روح " بٹلر نے کہا۔ میں وہاں سے ہٹ آیا۔ اس وقت میرے دل پر اتنا بوجھ تھا کہ میں بھی رو سکتا تھا "

اتنی دیر میں دس منٹ گذر گئے۔ پول نے پیکنگ کے بھوسے کے نیچے سے ایک کلہاڑی نکالی موم بتی قریب کی ایک میز پر رکھ دی گئی تاکہ حملہ کرنے کے لئے روشنی دے سکے۔ وہ اپنی سانس روکے ہوئے آگے بڑھے اور وہاں پہونچ گئے جہاں سے قدموں کے چلنے کی مسلسل آواز آرہی تھی ۔۔۔ رات کی خاموشی میں مسلسل آواز۔

" جیکل " مسٹر اٹرسن نے زور سے پکارا۔ " مجھے تم سے ملنا ہے " وہ ایک لمحے کیلئے رکے لیکن اندر سے کوئی جواب نہیں آیا۔ " میں تمھیں پہلے سے آگاہ کئے دیتا ہوں۔ ہمارے دل میں شبہات پیدا ہو گئے ہیں۔ اور میں تم سے ملے بغیر نہیں رہونگا " انھوں نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھا۔ " اگر معقول طریقے سے نہیں تو غیر معقول طریقے سے، اگر تمہاری اجازت سے نہیں تو زبردستی "

" اٹرسن " ۔۔۔ اندر سے آواز آئی۔ " خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو "

" ارے یہ جیکل کی آواز نہیں ہے۔ یہ تو ہائیڈ کی آواز ہے " وکیل صاحب چلائے " دروازہ توڑ دو پول "

پول نے کلہاڑی گھمائی۔ اس کی ضرب نے پوری عمارت کو ہلا دیا۔ اور سرخ بانات سے منڈھا ہوا دروازہ تالے اور قبضوں سمیت ہل گیا۔ کمرے کے اندر

ایک اندوہناک چیخ بلند ہوئی جس پر حیوانی خوف طاری تھا۔ کلہاڑی پھر بلند ہوئی اور پٹ ٹوٹنے لگے۔ اور چوکھٹا ہلنے لگا۔ کلہاڑی نے چار ضربیں لگائیں۔ لیکن لکڑی مضبوط تھی، اور دروازہ جوڑنے میں بہترین کاری گری صرف کی گئی تھی۔ پانچویں ضرب پر تالا ٹوٹ گیا، اور دروازے کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے اندر قالین پر جا گرے۔

حملہ آور اپنے ہی ہنگامے اور اس کے بعد کی خاموشی سے سہمے ہوئے تھے تھوڑی دیر باہر کھڑے رہے۔ اور اندر جھانک کر دیکھنے لگے۔ کمرہ ان کے سامنے کھلا پڑا تھا جس میں لیمپ کی خاموش روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ آتشدان میں خوب آگ جل رہی تھی۔ کیتلی اپنے باریک سر میں گا رہی تھی۔ ایک دو درازیں کھلی ہوئی تھیں۔ کام کرنے کی میز پر کاغذ بڑے سلیقے سے رکھے ہوئے تھے، اور آگ کے قریب چائے کے برتن سجے ہوئے تھے۔ اس رات غالباً وہ لندن کا سب سے زیادہ خاموش کمرہ تھا جس کی شیشے کی الماریاں کیمیاوی سامان سے بھری ہوئی تھیں۔ بیچوں بیچ میں ایک اینٹھی ہوئی لاش پڑی تھی جس میں ابھی تک تشنج باقی تھا۔ وہ دونوں دبے پاؤں قریب آئے۔ جب انھوں نے لاش کو سیدھا کیا تو انھیں ایڈورڈ ہائیڈ کا چہرہ نظر آیا۔ اس کے کپڑے اس کے جسم پر بہت بڑے تھے۔ وہ ڈاکٹر کی جسامت کے لئے تھے۔ اس کے چہرے کے اعصاب میں ابھی زندگی کی علامتیں باقی تھیں لیکن زندگی بالکل ختم ہو چکی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی ٹوٹی ہوئی شیشی اور ہوا میں پھیلی ہوئی بو سے اٹرسن نے اندازہ لگا لیا کہ وہ ایک خودکشی کرنے والے کی لاش پر کھڑے ہیں۔

"ہم بہت دیر میں آئے"، انھوں نے درشت لہجے میں کہا: "خواہ بچانے کے لئے خواہ ــــ سزا دینے کے لئے۔ ہائیڈ اپنے کیفر کردار کو پہونچ گیا۔ اب ہمیں صرف گھر کے مالک کی لاش تلاش کرنی ہے"۔

عمارت کے بڑے حصے میں تجربہ گاہ تھی جو پوری نچلی منزل پر حاوی تھی.
اور اس میں اوپر سے اور بالاخانے کے حجرے سے روشنی پہونچتی تھی جو ایک طرف کو سرکی ہوئی بالائی منزل سے حاطے میں جھانکتا رہتا تھا۔ ایک غلام گردش تجربہ گاہ کو بغلی سڑک کے دروازے سے جوڑ دیتی تھی۔ اور یہاں سے بالائی حجرے کو ایک اور زینہ جاتا تھا، اس کے علاوہ بہت سی تاریک خلوت گاہیں، اور ایک وسیع تہہ خانہ تھا انھوں نے ان سب کو بہت اچھی طرح تلاش کیا۔ خلوت گاہوں میں بس ایک نظر ڈالنا کافی تھا، کیونکہ وہ سب خالی تھیں، اور ان کے دروازے سے جو گرد جھڑتی تھی، وہ اسکا ثبوت تھی کہ بہت دنوں سے یہ کھولی نہیں گئی ہیں۔ تہہ خانہ البتہ کاٹ کباڑ سے پٹا پڑا تھا۔ جو زیادہ تر اس سرجن کے وقت کا تھا جو ڈاکٹر جیکل سے پہلے یہاں رہتا تھا لیکن جیسے ہی انھوں نے دروازہ کھولا انھیں مکڑی کے ایک پورے جالے کے گرنے سے۔ جو برسوں سے دروازے پر تنا ہوا تھا، معلوم ہو گیا کہ اس کی تلاشی لینا بے سود ہے۔ مردہ یا زندہ ہنری جیکل کا کہیں پتہ نہیں تھا۔

پول نے غلام گردش کے فرش کی سلوں پر پاؤں مار کر ان کی آواز کا اندازہ کر کے کہا " وہ یہاں دفن ہوں گے "

" یا فرار ہو گئے ہوں گے " اٹرسن نے کہا، اور وہ بغلی سڑک کی طرف کے دروازہ کا معائنہ کرنے بڑھے۔ اس میں تالا لگا تھا۔ انھیں کنجی وہیں فرش پر پڑی ہوئی مل گئی جس میں زنگ لگ گیا تھا۔

" یہ تو قابل استعمال نہیں معلوم ہوتی " وکیل صاحب نے رائے دی۔

" قابل استعمال " پول بولا۔ " آپ دیکھتے نہیں۔ یہ ٹوٹی ہوئی ہے۔ جیسے کسی نے اسے پیروں سے کچلا ہو "

" ارے ہاں " وکیل صاحب نے کہا۔ ٹوٹے ہوئے حصے بھی زنگ خوردہ

ہی دونوں آدمی خوفزدہ ہوکر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے "یہ میری سمجھ سے باہر ہے پول"
وکیل صاحب بولے "آؤ بالاخانے کے حجرے میں واپس چلیں۔"
وہ خاموشی سے زینے پر چڑھے، اور حجرے کے سامان کا جائزہ غور سے لینے لگے۔ اب بھی وہ کبھی کبھی خوفزدہ نظروں سے لاش کی طرف دیکھ لیتے تھے۔ ایک میز پر کیمیاوی کام کی علامتیں تھیں۔ کسی سفید نمک کے نپے تلے ڈھیر شیشے کی پلیٹوں میں رکھے تھے جیسے تجربہ کے لئے جس میں غالباً وہ غریب ناکام رہ گیا۔
یہی وہ دوا ہے جو میں ہمیشہ لے کر آتا تھا۔ پول نے کہا۔ جب وہ یہ کہہ رہا تھا تو کیتلی چونکا دینے والی آواز کے ساتھ ابلنے لگی۔
اس آواز کو سن کر وہ آتشدان کے پاس پہونچ گیا۔ جہاں آرام کرسی رکھی تھی اور بازو میں چائے کا سامان تیار رکھا تھا۔ پیالی میں شکر تک ڈال دی گئی تھی۔ ایک الماری میں کئی کتابیں تھیں، ایک کتاب چائے کے سامان کے پاس کھلی رکھی تھی۔ اور اٹرسن کو یہ دیکھکر حیرت ہوئی کہ یہ ایک مذہبی کتاب تھی جس کی تعریف جیکل نے کئی بار کی تھی لیکن اب اس کے حاشئے پر جیکل کے ہاتھ سے بے حرمتی کے کلمات لکھے ہوئے تھے۔
اپنی جستجو کے سلسلے میں دونوں تلاش کرنے والے جھولتے ہوئے آئینے کے پاس آئے۔ جس کی گہرائی پر انھوں نے ایک غیر ارادی خوف کیساتھ نظر ڈالی لیکن وہ ایسے زاوئیے پر مڑا ہوا تھا کہ انھیں سوائے چھت پر کھیلتی ہوئی آگ کی روشن پرچھائیوں کے سوا کچھ نظر نہیں آیا۔ آگ جو سیکڑوں طرح الماری کے شیشوں میں چمک رہی تھی اور ان کے اپنے پیلے اور خوفزدہ چہرے۔
اس آئینے نے کچھ عجیب وغریب چیزیں دیکھی ہیں۔" پول نے سرگوشی کی ور سب سے زیادہ عجیب وغریب چیز یہ آئینہ خود ہے" وکیل صاحب نے اسی

لہجے میں جواب دیا: "بھلا جیکل کو"، وہ اس نام کے زبان پر آتے ہی چونک پڑے لیکن پھر اپنے جذبات پر قابو حاصل کر کے بولے "بھلا جیکل کو اس کی کیا ضرورت تھی۔"

"ہاں آپ یہ کہہ سکتے ہیں"، پول نے کہا۔

اس کے بعد وہ کام کرنے والی میز کی طرف متوجہ ہو گئے۔ میز پر سلیقے سے رکھے ہوئے کاغذوں کے ڈھیر میں ایک بڑا سا لفافہ سب سے اوپر رکھا تھا، اور اس پر ڈاکٹر کے ہاتھ سے مسٹر اٹرسن کا نام لکھا تھا۔ وکیل صاحب نے اسے کھولا تو کئی ملفوف کاغذات فرش پر گر گئے۔ پہلا کاغذ ایک وصیت نامہ تھا۔ جو ایسی ہی سنکی باتوں سے بھرا ہوا تھا جب وہ وصیت نامہ جسے چھ مہینے پہلے وکیل صاحب نے واپس کیا تھا، جو موت کی صورت میں ایک سند ہو گا۔ اور غائب ہو جانے کی صورت میں تحفہ۔ لیکن وکیل صاحب نے ناقابل بیان حیرت کیا تھا اس میں ایڈورڈ ہائیڈ کے نام کے بجائے گیبریل جان اٹرسن کا نام پڑھا۔ انھوں نے پول کی طرف دیکھا، پھر کاغذ کی طرف، اور آخر میں اس مردہ بدمعاش کی طرف جس کی لاش قالین پر پڑی ہوئی تھی۔

"میرا سر چکرا رہا ہے"، انھوں نے کہا۔ "یہ کاغذ اتنے دن اسکے قبضے میں رہا کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ مجھے پسند کرے۔ اسے یہ دیکھ کر بڑا غصہ آیا ہو گا کہ اسے برطرف کر دیا گیا ہے پھر بھی اس نے یہ دستاویز ضائع نہیں کی۔"

انھوں نے دوسرا کاغذ اٹھایا۔ یہ ڈاکٹر کے ہاتھ کا لکھا ہوا چھوٹا سا پرزہ تھا جس کی پیشانی پر تاریخ پڑی تھی۔ "ارے پول"، وکیل صاحب چیخ اٹھے۔ "جیکل آج تک زندہ تھا، اور یہاں موجود تھا۔ اتنے کم عرصے میں اسے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اب بھی زندہ ہو گا۔ شاید بھاگ گیا ہے۔ لیکن بھاگا کیوں؟ اور کیسے؟ اور پھر ایسی حالت میں کیا ہمیں اس خودکشی کی خبر پھیلانی چاہئے۔؟ ہمیں بڑی احتیاط

سے کام لینا پڑے گا۔ مجھے خطرہ ہے کہ اس حادثے میں ہم تمہارے مالک کو بھی پھنسا دیں گے۔"

"آپ اسے پڑھتے کیوں نہیں" پول نے پوچھا۔

"کیوں کہ مجھے ڈر لگتا ہے" وکیل صاحب نے آہستہ سے جواب دیا "خدا کرے ڈر کی کوئی بات نہ ہو" یہ کہکر انھوں نے کاغذ پر نگاہیں ڈالیں۔ اور یہ عبارت پڑھی :-

پیارے اٹرسن : جب یہ پرزہ تمہارے ہاتھ میں پہونچے گا تو میں غائب ہو چکا ہونگا کن حالات میں؟ اسکا اندازہ میں ابھی سے نہیں کر سکتا لیکن میرا احساس اور اس گمنام صورت حال کا ماحول مجھے بتاتا ہے کہ انجام یقینی ہے، اور جلد آئے گا" اس لئے جاکر پہلے وہ بیان پڑھ لو جو لن یون نے مجھے پہلے سے بتا دیا تھا کہ وہ تمہارے ہاتھ میں سونپ دیگا۔ اور اگر تم اس سے زیادہ کچھ معلوم کرنا چاہتے ہو تو میرے اعترافات پڑھ لو۔

تمہارا نا اہل اور غمگین دوست

"ہنری جیکل"

"کیا کوئی تیسری چیز بھی ملفوف تھی" اٹرسن نے پوچھا۔

"یہ ہے جناب!" پول نے کہا اور ان کے ہاتھوں میں ایک بڑا سا لفافہ دیدیا۔ جس پر کئی جگہ مہریں لگی ہوئی تھیں۔

وکیل صاحب نے اسے اپنی جیب میں رکھ لیا۔ "میں اس کاغذ کے بارے میں کچھ نہیں کہوں گا۔ اگر تمہارے مالک کہیں فرار ہو گئے ہیں۔ یا مر گئے ہیں تو ہم کم سے کم ان کے نام کی عزت باقی رکھیں گے۔ اب دس بجے ہیں۔ میں گھر جاکر تنہائی میں

ان دستاویزوں کو پڑھونگا۔ لیکن آدھی رات سے پہلے واپس آجاؤں گا۔ تب ہم پولس کو اطلاع دیں گے۔"

وہ تجربہ گاہ کے دروازہ میں تالا لگا کر چلے گئے۔ اور مسٹر اٹرسن نوکروں کو ایک بار پھر بڑے ہال کی آگ کے گرد جمع چھوڑ کر ان دستاویزوں کو پڑھنے کے لئے اپنے دفتر کی طرف چل دیئے۔ جن میں ان پراسرار واقعات کی اصل حقیقت لکھی ہوئی تھی۔

ڈاکٹر لن یون کا بیان

آج سے چار دن پہلے نویں جنوری کو شام کی ڈاک سے مجھے ایک رجسٹری شدہ لفافہ ملا جس پر میرے رفیق اور اسکول کے ساتھی ہنری جیکل کے ہاتھ کا لکھا ہوا پتہ تھا۔ مجھے اس پر بڑا تعجب ہوا کیونکہ ہم دونوں خط وکتابت کرنے کے بالکل عادی نہیں تھے۔ میں اس سے ایک رات پہلے ملا تھا۔ اور اس کے ساتھ کھانا کھایا تھا۔ اور ہماری گفتگو میں کوئی ایسی بات نہیں آئی تھی جس کے لئے رجسٹری شدہ خط بھیجنے کی ضرورت پڑتی۔ خط کے موضوع نے میری حیرت کو اور بڑھا دیا کیونکہ اسمیں لکھا تھا۔

۱۰ر دسمبر ۱۸۰ء

پیارے لن یون۔ تم میرے سب سے پرانے دوستوں میں سے ایک ہو حالانکہ ہم دونوں سائنس کے بعض سوالات پر اختلافات رکھتے تھے لیکن مجھے یاد نہیں پڑتا کہ کم از کم میری طرف کبھی بھی ہماری محبت میں کوئی فرق آیا ہو۔ ہماری زندگی میں کوئی ایسا دن نہیں آیا جب تم مجھ سے یہ کہتے کہ جیکل میری زندگی، میری عزت سب کا دارومدار تم پر ہے۔ اور میں اپنی ساری دولت تم پر قربان کر دیتا۔ لن یون میری زندگی میری عزت سب کا دارومدار تمہارے رحم وکرم پر ہے۔ اگر تم آج رات میری مدد نہیں

کروگے تو میں کہیں کا نہ رہوں گا۔ اس تمہید کے بعد تم سمجھ سکتے ہو کہ میں تم سے کسی خطرناک چیز کی امداد چاہتا ہوں۔ بہر حال میں اسکا فیصلہ تم پر چھوڑتا ہوں۔

"میں چاہتا ہوں کہ آج رات کے لئے تم اپنے تمام کام ملتوی کر دو۔ اگر تمہیں کسی شہنشاہ کے علاج کے لئے بھی بلایا جائے نہ جاؤ۔ اگر تمہاری گاڑی تمہارے دروازہ پر کھڑی ہو تو ٹھیک ہے ورنہ کرائے کی گاڑی لو۔ اور اس خط کو ضروری مشوروں کے لئے اپنے ہاتھ میں لیکر سیدھے میرے گھر چلے جاؤ میرے بٹلر پول کو تمام ہدایات مل چکی ہیں۔ وہ ایک لوہار کو لئے ہوئے تمہارے آنے کا انتظار کر رہا ہوگا۔ میرے بالا خانے کے حجرے کا دروازہ توڑ کر اندر چلے جاؤ۔ لیکن بالکل تنہا اندر جانا۔ وہاں جاکر بائیں ہاتھ کی شیشے کی الماری کھولنا (جس پر حرف "ای" لکھا ہے) اگر وہ بند ہو تو اسکا تالا توڑ دینا، اور اوپر سے چوتھی اور نیچے کی طرف سے تیسری دراز معہ اُن تمام چیزوں کے جو اس میں رکھی ہیں باہر کھینچ لینا۔ مجھے خوف ہے کہ میں اپنی انتہائی ذہنی پریشانی کی حالت میں تمہیں کہیں غلط ہدایات تو نہیں دے رہا ہوں۔ لیکن اگر میں غلطی کروں تب بھی تم صحیح دراز کو اس میں رکھی ہوئی چیزوں سے پہچان سکتے ہو۔ کچھ سفوف، ایک شیشی اور ایک کاغذ کی جلد کی کتاب۔ میں تم سے التجا کرتا ہوں کہ اس دراز کو وہ جس حالت میں تمہیں ملے۔ اسی حالت میں لیکر، کیونڈس اسکوائر واپس آجاؤ!"

"یہ اس کام کا پہلا حصہ ہے اب دوسرے حصے کے متعلق اگر تم اس خط کو پاتے ہی فوراً روانہ ہو جاؤ تو آدھی رات سے پہلے پہلے واپس آسکتے ہو۔ لیکن میں اسوقت کو بھی تمہارے لئے چھوڑے دیتا ہوں۔ صرف اس خیال سے نہیں کہ شاید کوئی رکاوٹ تمہاری راہ میں پیدا ہو جائے جس سے بچنا ناممکن ہو جائے اور اس کے متعلق قبل از وقت کچھ کہا بھی نہیں جا سکتا۔ بلکہ اس خیال سے بھی کہ ایسا وقت اس کام کے لئے مناسب ہوگا جو تمہیں کرنا باقی ہے جب تمہارے

نوکر سو گئے ہوں۔ اب مجھے تم سے یہ درخواست کرنی ہے کہ آدھی رات کو اپنے مطب کے کمرے میں تنہا رہو، اور اپنے ہاتھ سے دروازہ کھول کر اس آدمی کو اندر بلاؤ جو میرے نام پر تمہارے پاس آئے گا، اور اس کے ہاتھ میں وہ دراز سونپ دو جو اس وقت تک تم میرے گھر سے لا چکے ہوگے۔ تب تم اپنا فرض ادا کر چکو گے۔ اور میرے شکریے اور عقیدت مندی کے مکمل طور پر مستحق ہوگے۔ اگر تمہیں تشریح اور وضاحت پر اصرار ہو تو پانچ منٹ بعد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ انتظامات بے انتہا اہم ہیں۔ یہ باتیں بڑی نرالی۔ اور بے ڈھنگی معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن اگر تم نے ان میں سے کسی ایک سے بھی غفلت برتی تو تمہارے ضمیر کو میری موت یا میری عقل و فہم کے خاتمے کی ذمہ داری اپنی پڑے گی۔

حالانکہ مجھے یقین ہے کہ تم اس درخواست کی طرف سے بے توجہی نہیں برتو گے۔ پھر بھی اسکے امکان ہی کے خیال سے میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔ اور ہاتھ کانپ رہا ہے۔ تم اسوقت میرے متعلق اس طرح سوچو کہ کسی اجنبی جگہ ہوں اور ایک ایسی مصیبت کے اندھیرے میں گھرا ہوا ہوں جس کے متعلق کوئی مبالغہ ممکن نہیں ہے اور پھر بھی یہ یقین ہے کہ اگر تم وقت کی پابندی کے ساتھ میرا کام کر دوگے تو مصیبتوں کے بادل اس طرح چھٹ جائیں گے جیسے کوئی کہانی ختم ہو جائے۔ اسوقت میرے کام آؤ میرے عزیز دوست لن یون اور مجھے بچا لو۔

"تمہارا دوست

ہنری جیکل"

میں نے اسے لفافہ میں بند کر دیا تھا۔ کہ میرے دل میں ایک نیا خطرہ پیدا ہوا۔ یہ ممکن ہے کہ ڈاکخانہ مجھے دھوکہ دے جائے۔ اور خط کل صبح تک تمہیں نہ مل سکے ایسی صورت میں پیارے لن یون تم میرا کام دن بھر میں جب بھی فرصت ملے کر دینا اور ایک بار پھر آدھی رات کو میرے قاصد کا انتظار کرنا۔ ممکن ہے کہ اسوقت تک یہ گمان

سے نکل چکا ہو۔ اور اگر اس رات کوئی تمہارے پاس نہ آئے تو یہ سمجھ لینا کہ اب ہنری جیکل اس دنیا میں نہیں ہے"

یہ خط پڑھنے کے بعد میں نے یقین کر لیا کہ میرا دوست پاگل ہو گیا ہے لیکن جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے، اور شبہ کی کوئی گنجائش نہ رہ جائے تب تک میرا یہ فرض تھا کہ میں اس کا کام کر دوں۔ یہ الجھی الجھی باتیں میری سمجھ میں بالکل نہیں آئیں۔ اور اسی لئے میں ان کی اہمیت سمجھنے سے بھی قاصر تھا۔ اور ایسے الفاظ میں جو درخواست کی گئی ہو اس کو رد کرنا بہت بڑی ذمہ داری کا کام تھا۔ چنانچہ میں اپنی میز سے اٹھا، اور ایک کرایہ کی ٹم ٹم میں بیٹھ کر سیدھا جیکل کے گھر پہونچ گیا۔ بٹلر میرا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے بھی جس ڈاک سے میرے پاس خط آیا تھا اسی ڈاک سے ایک رجسٹری شدہ خط موصول کیا تھا جس میں تمام ہدایتیں درج تھیں، اور اس نے فوراً لوہار اور بڑھئی بلانے کے لئے آدمی بھیج دیا تھا۔ ہم باتیں کر ہی رہے تھے کہ وہ دونوں آ گئے۔ اور ہم سب ایک ساتھ ڈاکٹر ڈنمان کے آپریشن کے کمرے میں گئے جہاں سے (جیسا کہ تم جانتے ہو گے) جیکل کے نجی کمرے میں جانے کا راستہ بہت سیدھا ہے۔ دروازہ بہت مضبوط تھا۔ تالا بہت اچھا تھا۔ بڑھئی نے کہا کہ اسے بڑی مشکل پیش آئے گی۔ اور اگر طاقت کا استعمال کیا گیا تو کافی نقصان ہو گا۔ اور لوہار تو بالکل ہمت ہار بیٹھا۔ لیکن وہ کاریگر آدمی تھے دو گھنٹے کی محنت کے بعد دروازہ کھل گیا۔ "ی" حرف کی الماری کا تالا کھلا ہوا تھا۔ اور میں نے دراز باہر گھسیٹ لی اور اس میں بھوسا بھر کے ایک کاغذ میں لپیٹ لی۔ اور اسے لیکر کیونڈش اسکوائر واپس آ گیا

گھر آ کر میں نے اسکا جائزہ لینا شروع کیا۔ سفوف کافی سلیقے سے تیار کئے گئے تھے۔ لیکن ان میں دوا ساز اور عطار کے ہاتھ کی صفائی نہیں تھی

اس سے ظاہر ہو گیا کہ وہ ڈاکٹر جیکل نے خود تیار کئے ہیں۔ اور جب میں نے ایک پڑیا کھولی تو اسکا سفوف مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے وہ سادہ سفید رنگ کا بلوری نمک تھا۔ اس کے بعد میں نے ایک چھوٹی سی شیشی کا جائزہ لیا۔ جو ایک خون کی طرح سرخ رقیق سے غالباً آدھی بھری ہوئی تھی۔ اس کی خوشبو بے انتہا تیکھی اور تیز تھی۔ میرا خیال ہے کہ اسمیں فاسفورس اور ایک طرح کا اڑ جانے والا ایتھر تھا۔ اس کے دوسرے اجزا کا اندازہ میں نہیں کر سکا۔ کتاب معمولی تھی اور اس میں سوائے تاریخوں کے اور کچھ درج نہیں تھا۔ جو کئی سالوں پر پھیلی ہوئی تھیں۔ لیکن میں نے دیکھا کہ اندراج ایک سال پہلے ایک دم سے رک گیا تھا۔ کہیں کہیں تاریخوں کے سامنے کوئی چھوٹا سا فقرہ لکھا تھا جو عام طور سے ایک لفظ سے زیادہ نہیں ہوتا تھا "دوہرا" کا لفظ کئی سو اندراجات میں غالباً چھ بار لکھا تھا۔ فہرست کے ابتدا ہی میں ایک جگہ لکھا تھا۔ مکمل ناکامی!!! اور اس کے سامنے بہت سی فجائیہ علامتیں بنی ہوئی تھیں۔ حالانکہ ان چیزوں نے میرے ذوق تجسس کو بڑھا دیا۔ لیکن ان سے کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ یہاں ایک شیشی تھی کسی نمک کی ایک پڑیا تھی۔ تجربات کی ایک لمبی فہرست تھی جو (ڈاکٹر جیکل کی بہت سی دوسری تحقیق کی طرح) کسی عملی اور مفید نتیجے پر نہیں پہونچ سکے۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میرے گھر میں ان چیزوں کی موجودگی میرے وحشت زدہ دوست کی عزت، ہوش وحواس اور زندگی پر کس طرح اثر انداز ہو سکتی تھی اگر اس کا قاصد ایک جگہ جا سکتا تھا تو دوسری جگہ کیوں نہیں جا سکتا۔ اور اگر کسی قسم کی رکاوٹ یا مزاحمت کا امکان فرض کر لیا جائے تو وہ میرے گھر اتنے خفیہ طریقے سے کیوں آرہا ہے؟ میں جتنا اس کے متعلق سوچتا تھا اتنا ہی یہ یقین پختہ ہوتا جاتا تھا کہ یہ کوئی دماغی عارضہ ہے۔ حالانکہ میں نے اپنے نوکروں کو رخصت کر دیا۔ لیکن اپنا پرانا ریوالور بھر کر رکھ لیا کہ ممکن ہے اپنی حفاظت کی ضرورت پیش آجائے

لندن میں بارہ بجے ہی تھے کہ کسی نے بہت آہستہ سے دروازہ کھٹکھٹایا
میں خود اٹھ کر گیا تو دیکھا کہ ایک چھوٹے سے قد کا آدمی برساتی کے ستونوں کے
پیچھے دبکا ہوا ہے۔

"کیا تم ڈاکٹر جیکل کے پاس سے آئے ہو؟" میں نے پوچھا۔

اس نے اشارہ سے "ہاں" کہا۔ اور جب میں نے اسے اندر آنے کے
لئے کہا تو اس نے پیچھے مڑ کر چوراہے کی تاریکی پر ایک نگاہ ڈالی۔ وہیں قریب میں
ایک پولیس کا سپاہی تھا۔ جو اپنی لالٹین جلائے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ اور مجھے ایسا
محسوس ہوا کہ اسے دیکھکر ہمارا ملاقاتی چونک پڑا۔ اور جلدی سے گھر میں داخل
ہو گیا

مجھے اسکا اعتراف ہے کہ مجھے یہ باتیں بہت بری لگیں، اور جب میں
اسکے پیچھے پیچھے مطب کے کمرے کی تیز روشنی میں آیا تو میرا ہاتھ میرے ریوالور
پر رکھا ہوا تھا۔ یہاں آکر مجھے اس کی صورت اچھی طرح دیکھنے کا موقع ملا۔ مجھے
اسکا یقین تھا کہ میں نے اس کی صورت اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ جیسا کہ میں
پہلے کہہ چکا ہوں کہ وہ چھوٹا سا آدمی تھا اس کے چہرے پر ایک عجیب دہشت
انگیز کیفیت تھی۔ ایک طرح کی مضبوط اعصابی عمل اور نقاہت کی آمیزش، اور
اس کے علاوہ یہ کہ اس کی قربت ایک عجیب وغریب داخلی اضطراب کا باعث
تھی۔ یہ اضطراب لرزہ اور بخار کی ابتدائی کیفیات سے ملتا جلتا تھا۔ اور نبض ڈوبی
جا رہی تھی۔ اسوقت میں نے اسے اپنی افتاد طبع اور ذاتی ناپسندیدگی کا نتیجہ
سمجھا، اور محض اس احساس کی شدت پر حیران تھا۔ لیکن اس کے بعد سے مجھے
یقین ہو گیا ہے کہ اس احساس کی اصل وجہ اس آدمی کی فطرت تھی، اور نفرت کے
اصول کے بجائے کوئی بلند جذبہ اس احساس کو بڑھا رہا تھا۔

یہ آدمی (جس نے گھر میں داخل ہوتے ہی مجھ میں ایک ایسی کیفیت پیدا کردی تھی جسے انتہائی نفرت انگیز تجسس کہا جا سکتا ہے) ایسے کپڑے پہنے ہوئے تھا جو ایک معمولی آدمی کو مضحکہ خیز بنا دیں گے اس کے کپڑے حالانکہ قیمتی اور اچھے تھے۔ اس کے جسم اور ناپ سے بہت بڑے تھے۔ پتلون اس کی ٹانگوں پر لٹک رہی تھی۔ جسے اس نے موڑ لیا تھا۔ تاکہ زمین پر نہ گھسٹے۔ کوٹ کی کمر اس کے کولھوں کے نیچے پہونچ رہی تھی۔ اور کالر اس کے کندھوں پر بہت بے قاعدگی سے پھیلا ہوا تھا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس مضحک ساز و سامان پر مجھے ذرا بھی ہنسی نہیں آئی وہ آدمی جو میرے سامنے کھڑا تھا۔ اس کی ذات میں کوئی ایسی غیر معمولی کیفیت، کوئی ایسی بدی تھی۔ کوئی ایسی چیز جو بے انتہا حیرت خیز اور نفرت انگیز تھی کہ یہ بے جوڑ کپڑے اس کے ساتھ ملکر اس کیفیت میں اضافہ کر رہے تھے۔ چنانچہ اس آدمی کی فطرت اور کردار میں مجھے جو دلچسپی پیدا ہو گئی تھی اس میں اس آدمی کی زندگی، حسب نسب، اور حیثیت کے بارے میں ایک تجسس بھی اضافہ ہو گیا۔

یہ مشاہدات جن کے بیان نے اتنی ساری جگہ لی ہے محض چند لمحوں کا عمل تھے۔ میرا ملاقاتی بے انتہا اداس اور گھبرایا ہوا تھا۔

"کیا وہ آپ کے پاس ہے؟" اس نے پوچھا "کیا وہ آپ کے پاس ہے؟" وہ اتنا بے صبر تھا کہ اس نے میرے بازو پر اپنا ہاتھ رکھکر مجھے جھنجھوڑنے کی کوشش کی۔

میں نے اسے پرے ہٹا دیا کیونکہ اس کے مس سے میرے خون کے اندر برف کی سی ٹھنڈک دوڑ گئی تھی۔ "دیکھئے" میں نے کہا۔ مجھے ابھی تک آپ کے تعارف کا بھی شرف حاصل نہیں ہوا ہے۔ تشریف رکھئے" اور اسے دکھانے کے لئے میں خود جا کر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ ایسے نادت اور اپنے سوئے ظن اور ملاقاتی

کی دہشت کی حالت میں جس حد تک ممکن تھا میں اسی تہذیب سے پیش آنے کی کوشش کر رہا تھا جو میں اپنے مریضوں کے ساتھ برتتا ہوں۔

"میں معافی چاہتا ہوں ڈاکٹر لین یون" اس نے کافی مہذب انداز سے جواب دیا۔ "آپ صحیح فرما رہے ہیں۔ میری بے صبری نے میری تہذیب و اخلاق پر سبقت حاصل کر لی ہے۔ آپ کے دوست ڈاکٹر ہنری جیکل کے ارشاد کے مطابق تھوڑے سے کام کے لئے یہاں آیا ہوں۔ اور میں سمجھتا ہوں......." وہ بات کرتے کرتے رک گیا، اور اس نے اپنا ہاتھ اپنے گلے پر رکھ لیا۔ اور میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ اپنے حواس مجتمع رکھنے کی کوشش کے باوجود وہ ہسٹریا کے حملے کے خلاف جد وجہد کر رہا تھا۔ "میں سمجھتا ہوں، ایک دراز......."

مجھے اپنے ملاقاتی کی امید وبیم کی اس کیفیت اور شاید اپنے بڑھتے ہوئے تجسس پر بھی ترس آ گیا۔

"وہ وہاں رکھی ہے" میں نے دراز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ جو ایک میز کے پیچھے فرش پر اب بھی کاغذ سے ڈھکی ہوئی رکھی تھی۔

وہ اچھل کر اس کے پاس پہونچ گیا، اور ایک لمحے کے لئے رک کر اس نے اپنا ہاتھ اپنے دل پر رکھ لیا۔ میں اس کے دانت بجنے کی آواز سن رہا تھا جو اس کے جبڑوں کی اینٹھن کا نتیجہ تھا اور اس کا چہرہ اتنا مہیب ہو گیا تھا کہ مجھے اس کی جان اور ہوش حواس کی طرف سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔

"ذرا اپنے آپ کو سنبھالئے" میں نے کہا

اس نے میری طرف دیکھ کر ایک خوفناک تبسم کیا اور گھبرا کر دراز پر سے کاغذ کھینچ لیا۔ اس میں رکھی ہوئی چیزیں دیکھ کر اس نے اطمینان کی سانس اتنے زور سے لی جیسے سسکی بھر رہا ہو۔ اور میں ششدر رہ گیا۔ اور دوسرے ہی لمحے اس نے ایسی آواز

میں مجھ سے پوچھا جس پر اس نے قابو پالیا تھا، "آپ کے پاس پیمانہ ہے؟"

میں ذرا کوشش کر کے اپنی جگہ سے اٹھا اور اسے پیمانہ دیدیا۔ اس نے مسکراتے ہوئے سر ہلا کر میرا شکریہ ادا کیا لال دوا کے چند قطرے ناپے اور ایک سفوف اسمیں ملا دیا یہ مرکب جو شروع میں سرخی مائل تھا، سفوف کے حل ہو جانے کے بعد شوخ رنگ اختیار کرنے لگا۔ وہ کھدبدانے لگا۔ اور اس میں سے بخارات اٹھنے لگے۔ یکایک اسکا جوش ختم ہو گیا، اور اسی لمحے مرکب کا رنگ گہرا ارغوانی ہو گیا جو پھر آہستہ آہستہ آبی رنگ میں تبدیل ہو گیا۔ میرا ملاقاتی جو اس کایا پلٹ کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا مسکرایا، اس نے گلاس میز پر رکھ دیا، اور میری طرف مڑ کر مجھے ایسی نظروں سے دیکھنے لگا جیسے میرا احتساب کر رہا ہو۔

"اب" اس نے کہا "جو کچھ باقی رہ گیا ہے وہ بھی طے ہو جانا چاہیے کیا آپ عقل سے کام لینا چاہتے ہیں؟ کیا آپ سمجھنے کی کوشش کریں گے؟ کیا آپ یہ پسند کریں گے کہ میں یہ گلاس ہاتھ میں لے لوں۔ اور بغیر مزید گفت وشنید کے آپ کے گھر سے چلا جاؤں؟ یا تجسس نے آپ پر غلبہ پالیا ہے؟ جواب دینے سے پہلے غور کر لیجئے۔ آپ جو کہیں گے وہی کیا جائے گا۔ آپ جو چاہیں فیصلہ کریں۔ آپ کو اسی حالت میں چھوڑا جا سکتا ہے جیسے آپ پہلے تھے۔ اس طرح آپ کو کوئی دولت نہیں ملے گی۔ آپ کی عقل میں کوئی اضافہ نہیں ہو گا۔ سوائے اس روحانی دولت کے جو آپ نے ایک مصیبت زدہ آدمی کی امداد کر کے حاصل کی ہے۔ یا اگر آپ چاہیں تو علم کے دروازے شہرت اور اقتدار کے نئے راستے آپ پر کھل سکتے ہیں یہیں اسی کمرے میں، اسی لمحے، اور آپ کی نگاہیں حیران رہ جائیں گی۔"

"جناب" میں نے قناعت کا اظہار کرتے ہوئے کہا جو اسوقت مجھ سے کوسوں دور تھی۔ "آپ معموں میں باتیں کر رہے ہیں، اور آپ کو اس پر تعجب نہیں ہونا چاہیے

کہ میں آپ کی باتیں بغیر کسی یقین اور اعتقاد کے سن رہا ہوں. میں بہت آگے بڑھ چکا ہوں اور ناقابلِ فہم باتوں کو اس وقت تک نہیں مان سکتا جب تک میں ان کا تجربہ نہ کر لوں"

"یہ ٹھیک ہے" میرے ملاقاتی نے جواب دیا "لن یون بھئیں اپنی پرانی قسمیں یاد ہیں نا ؟ - اب جو کچھ ہوگا وہ ہمارے پیشے کا ایک راز رہے گا تم ابتک بہت زیادہ تنگ نظری کا شکار رہے ہو. تم ماورائی دواؤں سے انکار کرتے رہے ہو. تم اپنے سے بہتر انسانوں کی ہنسی اڑاتے رہے ہو۔ دیکھو"

اس نے گلاس اپنے ہونٹوں سے لگا لیا، اور مرکب رقیق کو ایک گھونٹ میں پی گیا۔ ایک چیخ بلند ہوئی. وہ لڑکھڑانے لگا۔ اور میز کا سہارا لیکر کھڑا ہو گیا وہ درد بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا، اور منہ کھول کر سانس لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور میں نے دیکھا کہ اس میں تبدیلی پیدا ہو رہی ہے۔ جیسے وہ پھول رہا ہے، اسکا چہرہ یکایک سیاہ پڑ گیا اور اس کے خط و خال گھل کر تبدیل ہونے لگے۔ دوسرے لمحے میں اچھل پڑا، اور پیچھے ہٹ کر دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا میں نے اس حیرت خیز منظر سے بچنے کے لئے اپنی آنکھیں اپنے بازو سے چھپا لیں۔ میرے دل پر دہشت طاری تھی۔

"یا خدا" میں چیخ اٹھا۔ "یا خدا۔ یا خدا" میری آنکھوں کے سامنے ایک پیلا اور کانپتا ہوا انسان کھڑا تھا۔ جو نیم مدہوشی کی حالت میں اپنے ہاتھوں کو پھیلا کر کچھ ٹٹولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جیسے کوئی لاش قبر سے زندہ ہو کر اٹھ کھڑی ہو۔ میرے سامنے ہنری جیکل کھڑا ہوا تھا۔

اس کے بعد اس نے جو کچھ کہا اسے میں کاغذ پر لکھنے کی ہمت نہیں کر سکتا جو کچھ نظر آیا وہ میں نے دیکھا، جو کچھ سن سکتا تھا وہ سنا۔ اور اس سے میری روح متنغض ہے

اور اب بھی جبکہ وہ منظر میری نظروں سے اوجھل ہو چکا ہے میں اپنے دل سے پوچھتا ہوں کہ کیا مجھے اس پر یقین ہے اور میں جواب نہیں دے سکتا۔ میری زندگی کی بنیادیں ہل گئیں۔ نیند میری آنکھوں سے غائب ہو چکی ہے۔ رات دن ایک مہیب اور مہلک خوف میرے دل میں سمایا رہتا ہے میں محسوس کرتا ہوں کہ اب میری زندگی کے دن گنے ہوئے ہیں اور موت قریب آ گئی ہے۔ پھر بھی میں منکر ہی مروں گا۔ اور جہاں تک اس اخلاقی خباثت کا تعلق ہے جسکا اظہار اس شخص نے میرے سامنے کیا، تو توبہ استغفار کے آنسوؤں کے بعد بھی میں خواب و خیال میں بھی اسکے متعلق بغیر خوف اور دہشت کے کچھ نہیں سوچ سکتا۔ میں صرف ایک بات کہوں گا۔ اٹرسن اور وہ (اگر تم اس پر یقین کر سکو) بہت کافی ہوگی۔ وہ شخص جو اس رات میرے گھر میں داخل ہوا تھا، خود جیکل کے اعتراف کے مطابق، ہائیڈ کے نام سے مشہور ہے۔ اور کیریو کے قاتل کی حیثیت سے اس کی تلاش ملک کے کونے کونے میں ہو رہی ہے۔

ایسٹی لن یون۔

ہنری جیکل کا پورا بیان

میں سنہ ۱۸[illegible]ء میں ایک امیر گھرانے میں پیدا ہوا۔ فطرتاً محنت کی طرف راغب تھا۔ اور اپنے عقلمند اور نیک ہم جنسوں کی عزت کرتا تھا، اور یقین کے ساتھ یہ کہا جا سکتا تھا کہ ایک باعزت اور روشن مستقبل میرا انتظار کر رہا ہے۔ میری سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ میری افتاد طبع رنگ رلیوں کی طرف مائل تھی جو بہت سے آدمیوں کی مسرت کا باعث ہیں، لیکن میرے لئے نامناسب اور بے جوڑ تھیں، کیونکہ میں اپنا سر بلند رکھنے اور عام انسانوں کے سامنے ضرورت سے زیادہ سنجیدگی اور وقار قائم

دیکھنے کی شدید خواہش رکھتا تھا۔ اسکا یہ نتیجہ ہوا کہ میں اپنی رنگ۔۔ یہ ابھی چھپانے لگا۔ اور
جب میں نے ہوش سنبھالا، اور اپنے چاروں طرف نگاہ ڈالنے کے قابل ہوا۔ اور دنیا میں
اپنی ترقی اور حیثیت کا جائزہ لینے لگا تو میری زندگی میں بے انتہا دورنگی، اور فریب پیدا
ہوچکا تھا۔ بہت سے آدمی ان بدعنوانیوں کو جن کا میں مرتکب ہوا تھا ڈنکے کی چوٹ
پر ظاہر کر سکتے تھے۔ لیکن میں نے جو اپنے لئے اعلیٰ تصورات اور نصب العین قائم کر رکھے
تھے ان کی وجہ سے میں اپنی بدعنوانیوں کو شرم کے ایک مریضانہ احساس کے ساتھ چھپانے
لگا۔ اس طرح میری کمزوریوں کی ضلالت سے زیادہ میری آرزوؤں اور تمناؤں کی
سخت گیر فطرت تھی جس نے مجھے ایسا بنا دیا۔ اور میرے دل میں نیکی اور بدی کے درمیان
جس کی علیحدگی اور ترکیب سے انسان کی دورنگی فطرت بنتی ہے اتنی گہری خلیج حائل
کردی جو دوسرے انسانوں کے دلوں میں نہیں ملے گی۔ اس سلسلے میں میں نے
بڑی شدت سے زندگی کے اس سخت قانون کے متعلق سوچنا شروع کیا جو مذہب کی
جڑ میں پیوست ہے اور مصیبتوں اور تکلیفوں کا ایک بہت بڑا چشمہ ہے۔ حالانکہ مجھ میں
دورنگی کی دغابازی اس شدت سے تھی۔ لیکن ریاکار اور مکار بالکل نہیں تھا۔ میری فطرت
کے دونوں پہلو سنجیدہ مستعد تھے جب میں شرم وحیا کو بالائے طاق رکھکر گناہ میں غرق
ہوجاتا تھا۔ تو میری اتنی وہ نہیں رہتی تھی جو دن کے وقت علم کے اضافے اور دکھوں اور
غموں کو دور کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ اور اتفاق ایسا ہوا کہ میرے سائنٹفک مطالعے
نے جو مجھے بالکل سرّیت اور ماورائیت کی طرف لے گیا۔ مجھ میں یہ محسوس کرنے کا شعور
پیدا کیا کہ میری فطرت کے دونوں افراد مسلسل ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہیں۔ اپنی
ذہانت کے دونوں یعنی اخلاقی اور علمی پہلوؤں کی مدد سے میں روز بروز اس حقیقت
کے قریب آتا گیا جس کے ادھورے علم نے مجھے اس خوفناک تباہی کے غار میں
دھکیل دیا ہے یعنی انسان حقیقتاً ایک نہیں ہے بلکہ دو ہے میں دو اسلئے کہہ رہا ہوں

کہ میرے علم کی سطح اس مرکز سے بلند نہیں ہو سکتی ہے دوسرے جو میرے بعد آئیں گے۔ اس
دوسرے پر کام کر کے مجھ سے آگے نکل جائیں گے۔ اور میں قیاس کرتا ہوں کہ آخر کار
انسان کو متنوع اور پیچیدہ خصوصیات کا حامل سمجھا جائے گا۔ میں اپنی زندگی کے ڈھنگ
کی وجہ سے ایک اور صرف ایک سمت میں بڑھا ہوں۔ میں اپنی ذات کے ذریعہ سے
اخلاقی سطح پر انسان کی گہری اور ابتدائی دورنگی کو پہچاننے لگا ہوں میں نے یہ دیکھا
کہ دو فطرتیں میرے شعور میں برسر پیکار ہیں۔ اور اگر میں ان میں سے ایک فطرت کا
بجا طور سے حامل ہوں تو صرف اس صورت میں کہ دونوں کا میں حامل ہوں، اور بہت
ابتدا ہی سے، قبل اس کے کہ میری سائنٹفک تحقیقات نے کسی اعجاز کے امکان کی
امید دلائی میں ان دونوں عناصر کی علیحدگی کے متعلق سوچتے ہوئے بے انتہا مسرت
حاصل کرتا تھا۔ یہ ایک طرح سے بیداری کا خوبصورت خواب تھا۔ میں سوچا کرتا تھا۔
کہ اگر ہر فطرت اپنا الگ الگ پیکر اختیار کرے تو زندگی اس بوجھ سے ہلکی ہو جائیگی
جو ناقابل برداشت ہے۔ بدی ان آرزوؤں اور پشیمانیوں سے آزاد ہو کر اپنے راستے
پر چلے گی جو اس کے جوڑواں ایماندار ساتھی سے وابستہ ہیں اور نیکی ثابت قدمی
کے ساتھ بے کھٹکے بلندی کی منزل کی طرف گامزن ہوگی، اور پر مسرت کار ہائے خیر میں
منہمک ہوگی، اور اس خارج از ذات بدی کے ہاتھوں ذلت اور رسوائی میں مبتلا ہو کر
توبہ اور استغفار نہیں کرے گی۔ ان دو لائل بجوڑ ٹکڑوں کا ایک ساتھ بندھا ہونا
انسانیت کے لئے ایک لعنت ہے۔ شعور کی درد بھری کوکھ میں یہ متضاد جوڑواں بچے
مسلسل جدوجہد کرتے رہتے ہیں۔ پھر یہ دونوں ایک دوسرے سے الگ الگ
کیسے ہوں۔

میرا تفکر یہیں تک پہونچا تھا کہ اس موضوع پر جیسا کہ میں بتا چکا ہوں کہ
تجربہ گاہ کی میز سے ایک ضمنی روشنی پڑنے لگی۔ میں پہلے سے کہیں زیادہ شدت کیساتھ

اپنے ٹھوس جسم کی لرزاں غیر مادیت اور کہر کی طرح کی ناپائیداری کو محسوس کرنے لگا۔ میں نے معلوم کیا کہ بعض ایسی فعال قوتیں ہیں جو اس گوشت اور پوست کی پوشاک کو اسطرح نوچ کر پھینک سکتی ہیں جیسے ہوائیں خیموں کے پردوں کو ہٹا دیتی ہے۔ دو وجہوں سے میں اپنے اعتراف کے اس سائنٹیفک پہلو کا تجزیہ زیادہ گہرے تفکر کے ساتھ نہیں کرسکتا۔ ایک تو اس لئے کہ مجھے سکھایا گیا ہے کہ زندگی کا بوجھ اور انجام ہمیشہ کے لئے انسان کے کندھوں سے بندھا ہوا ہے اور جب اسکو اٹھا کر پھینکنے کی کوشش کی جاتی ہے تو وہ زیادہ غیر مانوس طریقے سے اور زیادہ تکلیف دہ بوجھ بن کر واپس آجاتا ہے۔ دوسرے اس لئے کہ میری تحقیق نامکمل رہ گئی۔ یہ میرے بیان سے معلوم ہوگا، اور اس کا مجھے بیحد افسوس ہے۔ نہ محض یہ کہ میں اپنے جسم کو بعض عناصر کے رنگ و بو سے پہچانتا تھا جس کی آمیزش سے میری روح کا خمیر اٹھا ہے۔ بلکہ میں ایک ایسا مرکب بنانے میں بھی کامیاب ہوگیا جس کی مدد سے میں ان عناصر کو ان کے اقتدار سے محروم کرسکتا تھا۔ اور ایک دوسری شکل و صورت اختیار کرسکتا تھا۔ جو میرے لئے کسی طرح سے کم فطری نہیں تھی۔ کیونکہ اس میں میری روح کے ادنیٰ عناصر کا اظہار تھا۔

اس نظریے کو عملی کسوٹی پر کسنے سے پہلے میں ایک طویل عرصے تک ہچکچاتا رہا۔ مجھے یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ میں موت سے کھیل رہا ہوں۔ کیونکہ کوئی ایسی دوا جو اتنی قوی الاثر ہو کہ انسانی شخصیت کے قلعے کی بنیادیں ہلادے، ذرا سی خوراک بڑھ جانے یا تھوڑی سی بد احتیاطی سے اس پیکر خاکی کو بالکل نیست و نابود کرسکتی ہے جسے میں اس کی مدد سے بدلنا چاہتا تھا۔ لیکن ایک ایسی غیر معمولی اور عمیق دریافت کی ترغیب آخر کار خوف کے جذبہ پر غالب آگئی۔ میں اپنا مرکب بہت پہلے سے تیار کرچکا تھا۔ میں نے فوراً ایک تھوک فروش دوا ساز کی دکان سے ایک مخصوص

نمک کی بڑی مقدار خریدلی۔ جو میرے تجربات کے مطابق آخری جزو ترکیبی تھا۔ اور ایک منحوس رات کو میں نے ان عناصر کو ملایا، گلاس میں انکا جوش اور بخار ایک ساتھ دیکھا، اور جب جوش ختم ہوگیا تو ہمت کرکے پوری دوا ایک گھونٹ میں پی گیا۔

میرے سارے جسم میں درد کی شدید ٹیسیں اٹھنے لگیں، ہڈیاں ٹوٹنے لگیں، طبیعت مالش کرنے لگی۔ اور ایک ایسا روحانی خوف پیدا ہوا جس میں شاید پیدائش اور موت کے لمحے بھی اضافہ نہیں کرسکتے۔ پھر یہ کرب بڑی تیزی سے کم ہونے لگا۔ اور میں اپنے آپ میں آگیا جیسے کسی بڑی بیماری سے اٹھا ہوں۔ میرے تاثرات کی کچھ عجیب کیفیت تھی۔ ان میں کوئی چیز ناقابل بیان حد تک نئی تھی۔ اور اپنے نئے پن کی وجہ سے حیرت انگیز حد تک شیریں۔ میں نے محسوس کیا کہ میری عمر کچھ کم ہوگئی ہے جسم ہلکا ہوگیا ہے، اور میں زیادہ خوش ہوں۔ میں اپنے اندر ایک تیز و تند من چلاپن محسوس کررہا تھا۔ اور میرے تصور میں شہوانی تصویروں کا ایک سلسلہ تھا جو مشین کی سی تیزی کے ساتھ چل رہا تھا مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اب میں تمام ذمہ داریوں سے آزاد ہوں، ایک نامعلوم لیکن غیر معصوم آزادئ روح کا احساس۔ مجھے اس نئی زندگی کے پہلے ہی سانس میں معلوم ہوگیا کہ میں بدمعاش ہوں، دس گنا زیادہ بدمعاش اپنی بنیادی بدی کا غلام ہوں۔ اس لمحے میں مجھے یہ خیال شراب کی طرح جانفزا، اور دل خوش کن معلوم ہوا۔ میں نے اپنے ہاتھ پھیلا دئیے، اور ان تاثرات کی تازگی سے لطف اندوز ہونے لگا۔ اس عمل میں یکایک میں نے یہ محسوس کیا کہ میرا قد چھوٹا ہوگیا ہے۔

اس دن میرے کمرے میں کوئی آئینہ نہیں تھا۔ وہ آئینہ جس کے پاس بیٹھا ہوا میں لکھ رہا ہوں۔ یہاں بعد کو لایا گیا۔ اور انھیں تبدیلیوں کی غرض سے۔ رات ڈھل چکی تھی۔ اور صبح ہورہی تھی۔ صبح پر ابھی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ لیکن وہ سورج کو

اپنی گود میں لینے کے لئے تیار تھی۔ میرے گھر کے رہنے والے گہری نیند میں بے سدھ پڑے تھے۔ میں امید اور کامیابی کے جذبہ سے سرشار تھا، اور میں نے اپنی نئی شکل میں، اپنی خوابگاہ تک جانے کا ارادہ کیا۔ میں نے حاطے کو عبور کیا جہاں ستاروں نے حیرت کے ساتھ اپنی بے خواب آنکھوں سے اس قسم کی پہلی ہستی کو دیکھا۔ میں غلام گردش سے دبے پاؤں نکل گیا۔ میں خود اپنے گھر میں اجنبی تھا۔ اور اپنے کمرے میں آکر میں نے پہلی بار ایڈورڈ ہائیڈ کی صورت دیکھی۔

یہاں میں صرف نظریے کی بنیاد پر بات کروں گا، وہ نہیں کہوں گا جو میں جانتا ہوں بلکہ وہ جو مجھے سب سے زیادہ اغلب معلوم ہوتا ہے۔ میری فطرت کا بد پہلو، جس کا جامہ میں نے اب پہن لیا تھا۔ نیک پہلو کے مقابلے میں جس کا جامہ میں نے ابھی اتار پھینکا تھا کم توانا، اور کم ترقی یافتہ تھا۔ اپنی زندگی کے دوران میں جو بہر حال زیادہ تر جد وجہد، نیکی اور ضبط وتحمل کی زندگی تھی میں نے اپنی بدی کو کم استعمال کیا تھا اور میرے خیال میں یہی وجہ تھی جو ایڈورڈ ہائیڈ ڈاکٹر جیکل کے مقابلہ میں اتنا چھوٹا نحیف اور کم عمر معلوم ہوتا تھا۔ جس طرح ایک کے چہرے پر نیکی کی جھلک تھی اور دوسرے کے چہرے پر بدی کی گہری چھاپ تھی۔ اس کے علاوہ بدی نے جو میں سمجھتا ہوں کہ انسان کے لئے مہلک اور جان لیوا ہے) اس جسم پر بدقوارگی اور انحطاط کی مہر لگادی پھر بھی جب میں نے اس بدصورت بت کو آئینے میں دیکھا تو مجھے کراہت، اور مغائرت کا احساس نہیں ہوا بلکہ میں نے اس کی پذیرائی کی۔ وہ بھی میری ہی ذات تھی۔ وہ مجھے فطری اور انسانی معلوم ہوئی۔ میری نظروں میں وہ روح کی زیادہ زندہ شکل تھی۔ اس میں اس ناقص اور دوغلی شکل سے زیادہ قطعیت، اور انفرادیت تھی جسے میں ابتک اپنی شکل کہنے کا عادی تھا۔ یہاں تک میرا احساس بلاشبہ صحیح تھا میں نے یہ دیکھا کہ جب میں ایڈورڈ ہائیڈ کی شکل اختیار کرتا ہوں تو کوئی آدمی

کراہت کے جذبے کے بغیر میرے قریب نہیں آسکتا۔ اس کی وجہ میرے نزدیک یہ ہے کہ تمام انسان جن سے ہم ملتے ہیں نیکی اور بدی کا مجموعہ ہیں۔ اور ساری نوع انسانی میں صرف ہائیڈ ہی ایسی ہستی ہے جو خالص بدی ہے۔

میں ایک لمحے سے زیادہ آئینے کے سامنے کھڑا نہیں ہوا۔ ابھی دوسرا اور فیصلہ کن تجربہ باقی تھا۔ ابھی یہ دیکھنا باقی تھا کہ آیا میں نے اپنی شخصیت بالکل کھو دی ہے۔ اور مجھے دن کی روشنی پھیلنے سے پہلے پہلے۔ اس گھر سے بھاگ جانا چاہئے جواب میرا نہیں رہ گیا ہے۔ میں اپنے بالاخانے کے حجرے میں جلدی سے واپس آگیا میں نے پھر مرکب تیار کر کے پیا۔ تحلیل کے کرب کو برداشت کیا۔ اور ڈاکٹر جیکل کے کردار، قدو قامت اور شکل و صورت کیساتھ اپنے آپ میں واپس آگیا۔

اس رات میں زندگی کے جاں ستاں دوراہے پر کھڑا تھا۔ اگر میں نے اپنی دریافت زیادہ اعلیٰ اور ارفع جذبے کے ساتھ کی ہوتی۔ اگر میں نے تجربہ اسوقت کیا ہوتا جب میں پاکیزہ آرزوؤں کے سائے میں تھا تو سب کچھ بالکل مختلف ہوتا، اور موت و زلیست کے اس کرب سے میں شیطان کے بجائے فرشتہ بن کر نکلتا دوا کا عمل کسی قسم کے فرق اور امتیاز کا قائل نہیں تھا۔ وہ نہ شیطانی تھی نہ الوہی۔ وہ صرف میری طبیعت کے قیدخانے کے دروازوں کو ہلادیتی تھی۔ اور فلپی کے قیدیوں کی طرح جو اندر ہوتا تھا باہر نکل آتا تھا۔ اسوقت میری نیکی سو رہی تھی۔ میری بدی ہوس کی وجہ سے بیدار۔ اور اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے تیار تھی، اور جو چیز باہر نکلی وہ ایڈورڈ ہائیڈ تھا۔ اسلئے حالانکہ اب میرے دو کردار تھے، اور دو صورتیں، ایک مکمل بدی اور دوسری اب بھی وہی پرانی ہنری جیکل کی ہستی، میں جس مرکب کو سدھارنے اور بہتر بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس سے مایوس ہو گیا۔ اس طرح یہ تحریک مجھے مکمل بدی کی طرف لے گئی۔

مجھے علمی زندگی کی خشکی سے جو نفرت تھی میں اسوقت بھی اس پر فتح نہیں پا سکا تھا۔ اب بھی
مجھے کبھی کبھی رنگ رلیوں کی خواہش ہوتی تھی۔ اور چونکہ میری عیاشیاں نامعقول تھیں اور
نہ محض یہ کہ میں مشہور تھا، اور قابل عزت سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ اب بڑھاپے کی طرف بھی جا رہا
تھا۔ اسی لئے میری زندگی کی یہ بدعنوانیاں روز بروز زیادہ نامناسب ہوتی جا رہی تھیں
میری نئی طاقت مجھے اس طرف آنے کی ترغیب دے رہی تھی کہ میں رذالت کی گندگی
میں غرق ہو گیا۔ مجھے صرف جام پینے کی دیر ہوتی تھی کہ میں مشہور پروفیسر کا جسم ترک
کر کے ایک بھاری لبادے کی طرح ایڈورڈ ہائیڈ کا جسم اختیار کر لیتا تھا۔ میں اپنی اس
صلاحیت پر مسکراتا تھا۔ اسوقت مجھے یہ چیز ظریفانہ اور پر مذاق معلوم ہوتی تھی، اور
میں بڑی احتیاط اور انہماک سے اپنا مرکب تیار کرتا تھا۔ میں نے سوہو میں وہ گھر
لیکر سجایا جہاں پولس ہائیڈ کی تلاش میں پہونچی تھی۔ اور مکانداری کے فرائض کے لئے
ایک ایسی عورت کو ملازم رکھا جسے میں جانتا تھا کہ وہ خاموش اور بے اصول ہے دوسری
طرف میں نے اپنے نوکروں سے کہدیا کہ ایک مسٹر ہائیڈ ہیں (جسکا حلیہ میں نے بیان
کر دیا) اور انھیں میرے گھر میں پوری آزادی اور اختیارات ہیں، اور حادثات کے
امکانات کو ختم کر دینے کے لئے میں اپنے دوسرے کردار میں کئی بار یہاں آ کر سب کو
مانوس کر گیا۔ اس کے بعد میں نے وہ وصیت نامہ تیار کیا جس پر تم نے اتنا اعتراض
کیا تھا۔ تاکہ اگر ڈاکٹر جیکل کی حیثیت سے کوئی بری بات پیدا ہو جائے تو میں بغیر مالی
نقصان اٹھائے ہوئے ایڈورڈ ہائیڈ کے روپ میں آ سکوں، اور اس طرح سے اپنے
آپ کو ہر طرف سے محفوظ کر کے میں نے اپنی حیثیت کی اس عجیب وغریب آزادی
سے پورا فائدہ اٹھانا شروع کر دیا۔

اپنے جرائم کو انجام دینے کیلئے بہت سے لوگ پیشہ ور غنڈوں سے کام
لیتے رہے ہیں اور اس طرح ان کی اپنی شخصیت اور نیک نامی محفوظ رہی ہے لیکن

میں پہلا وہ آدمی تھا جس نے خود یہ جرائم اپنی خوشی کے لئے کئے۔ میں پہلا آدمی تھا جو پبلک کے سامنے اس طرح خوش طبعی، ملنساری، اور شرافت کا اظہار کرتا تھا، لیکن ایک ہی لمحے بعد اسکول کے متلون مزاج لڑکوں کی طرح اپنی شرافت کا جامہ اتار کر پھینک دیتا تھا، اور آوارگی کے سمندر میں کود پڑتا تھا۔ لیکن میرے لئے اپنے دبیز نقاب میں مکمل حفاظت کا سامان تھا۔ ذرا اس پر غور کرو ــ میرا ایک سرے سے کوئی وجود ہی نہیں رہ جاتا تھا بس مجھے اپنی تجربہ گاہ میں گھس جانے اور مرکب بنا کر پی لینے کے چند لمحات ملجائیں جو ہر وقت تیار رہتا تھا، اور پھر اس کے بعد اس نے چاہے جتنا بڑا جرم کیا ہو، ایڈورڈ ہائیڈ اسطرح غائب ہو جائیگا جیسے آئینے کی سطح سے سانس کے دھبے اڑ جاتے ہیں۔ اور اس کی جگہ گھر پر سکون سے بیٹھا ہوا ہنری جیکل ملیگا۔ جو آدمی رات کو اپنے کمرے میں لیمپ کا گل کتر رہا ہے، ایک ایسا آدمی جو شبہات کے نام پر قہقہہ مار کر ہنس سکتا ہے۔

میں اسطرح اپنا بھیس بدل کر جو عیاشیاں کرتا تھا وہ، جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں نامعقول تھیں۔ میں اس سے زیادہ سخت لفظ استعمال نہیں کروں گا۔ لیکن ایڈورڈ ہائیڈ کے ہاتھ میں وہ بہت جلد وحشیانہ حرکتیں بن گئیں جب میں اپنے ان سیر سپاٹوں سے واپس آتا تھا تو اکثر اپنی اس نیابتی سیاہ کاری پر غرق حیرت ہو جاتا تھا۔ یہ ہمزاد جسے میں اپنی روح سے نکال کر اس کی رنگ رلیوں کے لئے باہر بھیج دیتا تھا۔ بنیادی طور سے موذی اور بدمعاش تھا۔ اسکا ہر عمل اور خیال صرف اس کی اپنی ذات کے لئے تھا دوسروں کو بے انتہا اذیت پہونچا کر وہ وحشیانہ حرص کے ساتھ مسرت کے جام پیتا تھا وہ پتھر کے آدمی کی طرح بے درد اور بے رحم تھا۔ اکثر ایڈورڈ ہائیڈ کے اعمال کو دیکھکر ہنری جیکل بھونچکا رہ جاتا تھا۔ مگر حالات معمولی قوانین سے بالا تھے۔ اور ضمیر کی گرفت آہستہ آہستہ ڈھیلی پڑتی جا رہی تھی۔ ہائیڈ اور صرف ہائیڈ ہی مجرم تھا جیکل اتنا برا نہیں تھا

وہ بظاہر بے ضرر رہتا تھا۔ اور اپنی نیکیوں کو لیکر پھر بیدار ہو جاتا تھا۔ جہاں ممکن ہوتا تھا وہاں وہ ہائیڈ کی کی ہوئی بدیوں کا تدارک کرنے میں دریغ نہیں کرتا تھا، اور اسطرح اسکا ضمیر سوتا رہا۔

میں ان بدکاریوں کی تفصیلات میں نہیں جانا چاہتا جن سے میں چشم پوشی کرتا رہتا تھا (کیونکہ اب بھی میں یہ تسلیم نہیں کرسکتا کہ وہ بدکاریاں میں نے کی ہیں) میں صرف ان تنبیہوں اور اقدامات کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں جن کے ساتھ میری عقوبت میرے قریب آرہی تھی۔ میں ایک حادثے سے دوچار ہوا۔ جو میرے لئے نتیجہ بخش ثابت نہیں ہوا۔ اس لئے میں صرف اسکا ذکر کرونگا۔ ایک بچے پر ظلم کرنے کے سلسلے میں ایک راہ گیر مجھ پر خفا ہو گیا جس کو میں نے اس روز تمہارے ایک عزیز کی صورت میں پہچانا، ڈاکٹر اور بچے کے گھر والے اس کے ساتھ شریک ہو گئے۔ ایسے مواقع بھی آئے جب مجھے اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ اور آخر کار ان کے جائز غصے کو ٹھنڈا کرنے کے لئے ایڈورڈ ہائیڈ انھیں اپنے دروازے تک لایا۔ اور انھیں چیک کے ذریعہ سے ایک رقم ادا کی جسپر ہنری جیکل کے دستخط تھے۔ لیکن آئندہ کے لئے اس خطرہ کا سدباب آسانی سے ہو گیا۔ یعنی ایک دوسرے بینک میں خود ایڈورڈ ہائیڈ کے نام سے حساب کھول دیا گیا۔ اور جب میں نے اپنے ہاتھ کو پیچھے کی طرف موڑ کر اپنے ہمزاد کے لئے دستخط کئے تھے تو میں یہ سمجھا تھا کہ میں جزا و سزا کی دسترس سے باہر ہوں۔

سر ڈینورس کے قتل کی واردات سے دو مہینے پہلے کی بات ہے کہ میں اپنے سیر سپاٹوں کے لئے باہر گیا تھا۔ رات کو کافی دیر سے واپس آیا تھا۔ دوسرے دن جب میں بیدار ہوا تو میرے تاثرات کچھ عجیب تھے۔ میں نے بیکار اپنے چاروں طرف دیکھا۔ میں نے بیکار اپنے اچھے فرنیچر، اور کمرے کی بلندی اور وسعت کا جائزہ لیا میں نے بیکار اپنی مہاگنی کی لکڑی کی مسہری اور پردوں کے نقش و نگار پہچانے۔

کوئی دل میں بیٹھا ہوا کہہ رہا تھا کہ میں وہاں نہیں ہوں۔ جہاں تھا میں اپنے آپ کو جہاں محسوس کر رہا تھا۔ وہاں نہیں بلکہ سوہو کے چھوٹے سے کمرے میں بیدار ہوا ہوں۔ جہاں میں ایڈورڈ ہائیڈ کے پیکر میں سونے کا عادی تھا۔ میں آپ ہی آپ مسکرایا۔ اور اپنی اس نفسیاتی کیفیت میں سوچنے لگا کہ یہ کیا فریب ہے؟ اس حالت میں کبھی کبھی مجھپر غنودگی طاری ہو جاتی تھی۔ میں اسی نیم بیداری اور نیم خوابی کی حالت میں تھا کہ بیداری کے ایک لمحے میں میری آنکھ میرے ہاتھ پہ پڑی۔ تم جانتے ہو اور اکثر اسکا ذکر بھی کر چکے ہو کہ ہنری جیکل کے ہاتھ کی شکل میں اس کے پیشے کی نفاست ہے وہ بڑا مضبوط۔ سفید اور خوبصورت ہاتھ ہے۔ لیکن جس ہاتھ کو میں نے اب دیکھا وسط لندن کی صبح کی زرد روشنی میں، شب خوابی کے لباس میں آدھا چھپا ہوا وہ کمزور ہاتھ تھا جس کی نسیں اور ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ وہ دھندلا، اور بدصورت ہاتھ تھا جس پر بہت سارے کالے کالے بال اگے ہوئے تھے۔ یہ ایڈورڈ ہائیڈ کا ہاتھ تھا۔

میں حیرت اور حماقت کے جذبے میں ڈوبا ہوا اس ہاتھ کو کوئی آدھے منٹ تک دیکھتا رہا کہ یکایک مجھ پر خوف طاری ہو گیا، اور میں اسی طرح چونک پڑا جیسے ایک دم سے جھانجھ بجنے لگیں، اور میں بستر سے اچھل کر آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا میری آنکھوں کے سامنے جو تصویر تھی اسے دیکھ کر میرا خون میری رگوں میں جیسے جم گیا جب میں بستر پر سونے کے لئے لیٹا تھا تو ہنری جیکل تھا لیکن جب بیدار ہوا تو ایڈورڈ ہائیڈ تھا۔ یہ کیا معمہ ہے؟ میں نے خود اپنے دل سے سوال کیا۔ اور پھر دہشت کے ایک نئے جذبے کیساتھ سوچنے لگا کہ اسکا علاج کیا ہے دن چڑھ چکا تھا اور نوکر جاگ اٹھے تھے۔ میری تمام دوائیں بالاخانے کے حجرے میں تھیں۔ جہاں میں خوفزدہ کھڑا ہوا تھا وہاں سے حجرے تک جانے کے لئے ایک لمبا سفر طے کرنا تھا، دو زینے، پچھلا راستہ

کھلا ہوا احاطہ اور آپریشن کا کمرہ۔ اپنے مہنہ کو چھپا لینا ممکن تھا۔ لیکن اس سے کیا فائدہ
جبکہ میں اپنے قد کی تبدیلی کو نہیں چھپا سکتا۔ اور پھر یہ سوچکر اطمینان ہوا کہ نوکر میرے ہمزاد
کے آنے جانے کے عادی ہو چکے ہیں۔ میں نے جیسے بنا جلدی سے اپنی جسامت کے
کپڑے پہنے اور گھر سے ہو کر گذرا۔ جہاں بریڈ شا، مسٹر ہائیڈ کو ایسے ناوقت اس عجیب
وغریب حلیے میں دیکھکر جھجک گیا۔ دس منٹ بعد ڈاکٹر جیکل اپنی اصلی شکل میں واپس
آگیا تھا۔ اور ذرا ترش ابروئی کے ساتھ ناشتہ کرنے کے لئے بیٹھا ہوا تھا۔

مجھے ذرا بھی بھوک نہیں تھی۔ یہ ناقابل تشریح حادثہ، یہ میرے گذشتہ تجربے
کی بازآفرینی مجھے ایسی معلوم ہو رہی تھی جیسے بابل کی انگلی دیوار پر میری قسمت لکھ رہی ہے
اور میں پہلے سے بھی زیادہ سنجیدگی کے ساتھ اپنے دوہرے وجود کے مسائل، اور
امکانات پر غور کرنے لگا۔ میرے وجود کا وہ پہلو جس کو میں ابھارنے کی طاقت رکھتا
تھا۔ اس زمانے میں کافی ترقی کر گیا تھا۔ کچھ دنوں سے مجھے یہ معلوم ہونے لگا تھا جیسے
ایڈورڈ ہائیڈ کا جسم قد وقامت میں بڑھ گیا ہے۔ اور (جب میں اس پیکر میں ہوتا تھا)
تو مجھے اپنی رگوں میں خون کے سیلاب کا احساس ہوتا تھا۔ اور میں یہ خطرہ محسوس کرنے
لگا کہ اگر اس کو زیادہ موقع ملا تو میری فطرت کا توازن ہمیشہ کے لئے برباد ہو جائے گا
خود اختیاری تبدیلی کی طاقت چھن جائے گی۔ اور ایڈورڈ ہائیڈ کا کردار ہمیشہ کے لئے
مجھ پر مسلط ہو جائے گا۔ دوا کا اثر ہمیشہ یکساں نہیں ہوتا تھا۔ ایک بار ابتدائی زمانہ
میں اس نے کوئی فعل نہیں کیا۔ اس کے بعد سے مجھے مجبوراً خوراک دونی کر دینی
پڑی اور ایک بار تو میں نے موت کا خطرہ مول لے کر خوراک تگنی کر دی۔ اب تک
میرے سکون اور اطمینان کو کبھی کبھی دوا کے غیر یقینی اثر ہی سے پریشانی ہوتی تھی۔ اور
اب اس صبح کے حادثے کے بعد میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ جبکہ ابتدا ہی
میں جیکل کے پیکر کو چھوڑ کر ہائیڈ کے پیکر میں آنا مشکل تھا، اب دوسرا پہلو زیادہ حاوی

ہو گیا ہے۔ تمام حالات یہ اشارہ کر رہے تھے کہ میں آہستہ آہستہ اپنی اصلی اور بہتر فطرت کو چھوڑ کر ثانوی اور بری فطرت کو اختیار کر رہا تھا۔

میں نے یہ محسوس کیا کہ مجھے ان دونوں کے درمیان انتخاب کرنا ہے۔

میری دونوں فطرتوں کا حافظہ مشترک تھا۔ باقی تمام خصوصیات کی تقسیم غیر متوازن تھی جیکل (جو مرکب اور مخلوط تھا) اب ہائیڈ کی رنگ رلیوں اور عیاشیوں سے لطف اندوز ہونے لگا تھا۔ کبھی انتہائی تشویشناک انداز میں اور کبھی بڑے ذوق و شوق سے لیکن ہائیڈ جیکل کی طرف سے لاپرواہ تھا۔ یا کبھی یاد کرتا تھا تو صرف اسطرح جیسے کوئی پہاڑی ڈاکو اس غار کو یاد کرے جس میں وہ تعاقب کرنے والوں سے پناہ لیتا ہے۔

جیکل کو باپ کی سی توجہ اور دلچسپی تھی۔ ہائیڈ کو بیٹے کی سی بے توجہی۔ اپنے آپ کو جیکل کے ساتھ وابستہ کر دینے کے معنی ان خواہشات سے منہ موڑ لینا تھا جن سے میں پوشیدہ طور سے لطف اندوز ہوتا رہتا تھا۔ اور اب کچھ دنوں سے انھیں اور زیادہ پیار کر کے ان کی عادتیں بگاڑنے لگا تھا۔ ہائیڈ کے ساتھ وابستہ ہو جانے کے معنی ہزاروں آرزوؤں اور تمناؤں کی موت تھی اور ہمیشہ کے لئے قابل نفرت بن جانے اور دوستوں سے محروم ہو جانا تھا۔ ان داموں سودا مہنگا تھا۔ لیکن ابھی تلافی کی ایک صورت باقی تھی۔ جبکہ جیکل بہادری کے ساتھ زہد اور پرہیزگاری کی آگ میں جلے گا۔

ہائیڈ کو اسکا احساس بھی نہیں ہوگا کہ اس نے کیا کھویا ہے۔ میرے حالات بہت ہی پیچیدہ تھے۔ لیکن اس مباحثے کے نکات اتنے ہی پرانے اور عام ہیں جتنا انسان اسی طرح کی ترغیبات اور خطرات ہر گناہ پر مائل گنہگار کی قسمت کا پاسا پھینکتے ہیں میرا بھی پاسا ویسا ہی پڑا جیسا میرے ہم جلسوں کی اکثریت کا پاسا پڑتا ہے یعنی میں نے بہتر چیز کا انتخاب کیا لیکن ثابت قدم رہنے کی قوت کی کمی تھی۔

ہاں میں نے سن رسیدہ اور غیر مطمئن ڈاکٹر کو ترجیح دی۔ جو دوستوں میں گھرا ہوا

تھا جس کا سینہ اچھی آرزوؤں سے بھرا تھا، اور سختی کے ساتھ اس بے لگامی، کم عمری ہلکے پھلکے قدموں، اچھلتی ہوئی نبضوں اور پوشیدہ رنگ رلیوں کو خیرباد کہہ دیا جن سے میں ہائیڈ کے بھیس میں لطف اندوز ہوا تھا۔ شاید میں نے یہ انتخاب کسی غیر شعوری ذہنی تحفظ کے ساتھ کیا تھا۔ کیونکہ میں نے نہ تو سوہو کا گھر چھوڑا، نہ ایڈورڈ ہائیڈ کے کپڑے ضائع کئے۔ جو اب بھی میرے کمرے میں استعمال کے لئے رکھے ہوئے تھے۔ بہرحال میں دو مہینے تک اپنے فیصلے پر قائم رہا۔ دو مہینے تک میں نے ایسی متین اور سادہ زندگی گذاری جو پہلے کبھی نہیں گذاری تھی۔ اور اس کے معاوضے میں اطمینان قلب اور خوشنودیٔ ضمیر حاصل کی۔ لیکن جیسے جیسے وقت گذرتا گیا خطرے کا احساس دل سے محو ہوتا گیا۔ ضمیر کی تعریفیں معمولی بن چکی تھیں۔ مجھے ہائیڈ کی تمناؤں اور آرزوؤں نے پھر ستانا شروع کیا۔ جو آزاد ہونے کے لئے بیتاب تھیں اور اخلاقی کمزوری کے ایک لمحے میں میں نے قلب ماہیت کی دوا تیار کر کے پی لی۔

میں نہیں سمجھتا کہ جب کوئی شرابی اپنی بری عادت پر غور کرنے لگتا ہے تو وہ ایک لمحے کے لئے بھی ان خطرات کا اندازہ کرتا ہے۔ جو اس لئے اس کی وحشیانہ جسمانی بے حسی سے پیدا ہوتے ہیں، میں نے بھی باوجود اس کے اپنی حیثیت کا اچھی طرح جائزہ لیا تھا کبھی اس مکمل اخلاقی بے حسی اور بدی کی نہ بجھنے والی پیاس پر پوری طرح غور نہیں کیا۔ جو ایڈورڈ ہائیڈ کے کردار کی بنیادی خصوصیات تھیں، اور مجھے انھیں کے ذریعہ سے سزا ملی۔ میرا شیطان بہت دن قید رہا تھا۔ اور وہ چیختا چنگھاڑتا باہر نکلا۔ دوا پیتے وقت مجھے اس کا احساس تھا کہ بدی کی طرف رغبت کا جذبہ بہت بے لگام اور تند و تیز ہے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اپنے بدقسمت مقتول کی مہذب باتیں سن کر میرے سینے میں بے صبری اور غصے کا ایک طوفان اٹھا۔ کم از کم میں خدا کے سامنے یہ کہتا ہوں کہ کوئی اخلاقی طور سے صحیح دل و دماغ کا آدمی ایسے رحم آلود اشتعال پر ایسا بڑا گناہ نہیں کر سکتا، اور میں نے

جب اس پر حملہ کیا تو اس میں اتنا ہی ناسمجھی کا جذبہ تھا جتنا اس بیمار بچے میں ہوتا ہے جو بے وجہ اپنے کھلونے توڑ دیتا ہے۔ لیکن میں نے خود اپنی مرضی سے ان توازن قائم رکھنے والی جبلتوں کو نکال کر پھینک دیا تھا جن کے سہارے بدترین آدمی بھی ترغیبات کے ہجوم میں کسی حد تک ثابت قدم رہ سکتا ہے، اور میرے معاملے میں تو ہلکی سی ترغیب کے معنی اوندھے منہ گر جانے کے تھے۔

میرے دل میں یکایک نفرت اور غصے کا ایک جہنم بھڑک اٹھا۔ میں نے اس جسم کو مارتے مارتے زخمی کر دیا۔ جو اپنی مدافعت بھی نہیں کر رہا تھا۔ مجھے اس حرکت سے خوشی ہو رہی تھی۔ اور میں ہر ضرب میں ایک لذت محسوس کر رہا تھا۔ جب میں تھک کر چور ہو گیا تو یکایک اپنی اس ہذیانی کیفیت میں میرے دل پر ایک خوف طاری ہو گیا آنکھوں کے سامنے سے دھندلکا چھٹ گیا، اور میں نے دیکھا کہ اس کی سزا میں مجھے اپنی جان دینی پڑے گی۔ اور میں اتراتا ہوا، اور کانپتا ہوا اپنے سر پاؤں رکھ کے بھاگا۔ بدی کی ہوس پوری ہو گئی تھی۔ اور اس میں ہیجان برپا تھا اور اپنی جان کی محبت میرے تمام جذبوں پر حاوی تھی۔ میں بھاگ کر سوہو کے گھر میں پہونچا اور (احتیاطاً مزید کے طور پر) اپنے کاغذات ضائع کر دیئے۔ وہاں سے میں اسی منقسم ذہنی وجد کی حالت میں لیمپوں سے روشن سڑک پر چل کھڑا ہوا۔ میں اپنے جرم پر خوش تھا۔ اور آئندہ نئے جرائم کی ترکیبیں سوچ رہا تھا۔ پھر بھی تیز تیز چل رہا تھا۔ اور اپنے انتقام لینے والوں کے قدموں کی آہٹ پر کان لگائے ہوئے تھا۔ ہائیڈ نے جب دوا تیار کر کے اسے پیا تو اس کے ہونٹوں پر ایک گیت تھا۔ قلب ماہیت کا کرب ابھی باقی تھا کہ ہنری جیکل گھٹنوں کے بل جھک گیا۔ اور خدا کی بارگاہ میں اسکے ہاتھ بلند ہو گئے۔ اس کی آنکھوں سے شکر اور پشیمانی کے آنسو بہہ رہے تھے، خود کامی اور خود فریبی کا پردہ چاک ہو چکا تھا، اور میری پوری زندگی میرے سامنے تھی۔ میں نے بچپن سے اپنی زندگی کا جائزہ

لینا شروع کیا جب میں باپ کی انگلی پکڑ کر چلا کرتا تھا۔ میں نے اپنی پیشہ ورزندگی کی زاہدانہ مشقتوں کا بھی جائزہ لیا اور ہر بار میں ایک موہوم احساس کے ساتھ اس رات کے خوفناک حادثے پر آکر رک جاتا تھا۔ میں اسوقت بیچ بیچ کر رو سکتا تھا میں نے آنسوؤں اور دعاؤں میں ان بھیانک تصورات، اور آوازوں کو غرق کر دینے کی کوشش کی جن کے ہجوم نے میرے ذہن کو گھیر رکھا تھا۔ پھر بھی ان دعاؤں کے بیچ میں میری بے انصافی کا بدصورت چہرہ ابھر آتا تھا۔ اور میری روح میں جھلک نکلنے لگتا تھا، لیکن جب اس پچھتاوے کی شدت کم ہونے لگی تو اس کی جگہ ایک طرح کی خوشی کے احساس نے لے لی۔ میرے عمل کا مسئلہ حل ہو گیا تھا اس کے بعد سے ہائیڈ کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔ چاہے میں اسے پسند کروں، یا نہ کروں۔ اب میں اپنے وجود کے بہتر حصے کے ساتھ وابستہ تھا۔ اور اسے سوچکر میں بیحد خوش ہوتا تھا۔ میں نے بڑی عاجزی اور انکساری کے ساتھ فطری زندگی کی پابندیاں اپنے اوپر عاید کرلیں۔ میں نے بڑی پرخلوص نفس کشی کے ساتھ اس دروازے کو تالا لگا دیا جس سے میں آیا جایا کرتا تھا اور کنجی کو اپنے پیروں تلے کچل دیا۔

دوسرے دن خبر آئی کہ اس قتل کے حادثے میں چشم دید گواہ تھے۔ ہائیڈ کا جرم ساری دنیا پر روشن ہو چکا تھا۔ اور مقتول پبلک کی نظروں میں بہت بلند تھا محض ایک جرم نہیں تھا، بلکہ بڑی افسوسناک حماقت تھی۔ میرا خیال ہے کہ یہ معلوم کر کے مجھے خوشی ہوئی میرا خیال ہے کہ مجھے اس کی خوشی تھی کہ پھانسی کے خوف نے میرے بہتر جذبات کو ابھارا اور انھیں سہارا دیا جیکل اب وہ شہر تھا جس میں میں نے پناہ لی تھی۔ ہائیڈ اگر ایک لمحے کے لئے بھی اس میں سے باہر جھانکے تو تمام انسانوں کے ہاتھ اس کی طرف بڑھیں گے اور اسے قتل کر دیں گے۔

میں نے طے کیا کہ اپنے آئندہ اعمال میں ماضی کا کفارہ ادا کر دوں گا۔

اور میں ایمانداری کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میرا ارادہ کامیاب ہوا۔ اور میں نے کچھ نیکیاں کیں تم خود جانتے ہو کہ پچھلے سال کے آخری مہینے میں میں کس قدر مستعدی کے ساتھ اس امر کی کوشش کر رہا تھا کہ دوسروں کی مصیبتیں کم کر سکوں تم یہ بھی جانتے ہو کہ میں نے اس زمانے میں لوگوں کی کتنی امداد کی اور وہ دن خاموشی سے گذر گئے۔ میرے لئے وہ بڑے پرمسرت دن تھے۔ یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ میں اس مخیر اور معصوم زندگی سے تھک گیا تھا۔ اس کے برعکس میرا خیال ہے کہ میں روز اس سے لطف اندوز ہوتا تھا۔ لیکن میرے مقاصد کی دورنگی کی لعنت مجھ پر اب بھی مسلط تھی۔ اور جیسے ہی میری توبہ و استغفار کا ابتدائی جوش ختم ہوا، میری بدی، جس کی اتنے دن ہمت افزائی کی گئی تھی اور جسے چند دنوں سے قید کر دیا گیا تھا۔ بے لگامی کے لئے غرانے لگی۔ یہ نہیں تھا کہ میں ہائیڈ کو پھر سے زندہ کرنا چاہتا تھا۔ اس کا خیال ہی میرے لئے نفرت انگیز تھا۔ میں بذات خود ایک بار پھر اپنے ضمیر کے ساتھ کھیلنے کی طرف راغب ہو رہا تھا۔ اور ایک معمولی چھپ کر گناہ کرنے والے کی طرح میں آخرکار اپنی ترغیبوں کے حملوں سے زیر ہو گیا۔

ہر چیز کی ایک انتہا ہوتی ہے۔ بڑے سے بڑا پیالہ بھی آخر ایک دن بھر جاتا ہے۔ اپنی بدی کے ساتھ میری اس مختصر سی کرم فرمائی نے آخرکار میری روح کا توازن برباد کر دیا پھر بھی میں خوفزدہ نہیں ہوا معصیت مجھے بالکل فطری معلوم ہوئی جیسے میں ان پرانے دنوں میں واپس چلا گیا ہوں جب میں نے ابھی اپنی دریافت میں کامیابی حاصل نہیں کی تھی۔ یہ جنوری کا ایک خوبصورت اور صاف دن تھا۔ پیروں کے نیچے کہرے کے پگھلنے کی وجہ سے نمی تھی۔ لیکن آسمان پر بادل کا نشان بھی نہیں تھا۔ اور ریجنٹ پارک جاڑوں کے نغموں اور بہار کی میٹھی خوشبو سے بھرا ہوا تھا۔ میں دھوپ میں ایک بنچ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اور میری روح کے اندر بیٹھا ہوا حیوان میرے حافظے کو چاٹ رہا تھا

روحانیت کچھ نیم خوابی کی حالت میں تھی۔ وہ بعد کو توبہ کر لینے کا وعدہ کر رہی تھی۔ لیکن ابھی اس میں کوئی حرکت نہیں تھی۔ میں نے سوچا آخر میں بھی اپنے ہم سایوں کی طرح ہوں۔ پھر میں اپنا مقابلہ دوسرے آدمیوں سے کر کے اپنی اچھی خواہشات کا مقابلہ دوسروں کی بے رحمی اور بے توجہی سے کر کے میں مسکرایا۔ اور اسی ذہنی شیخی کی حالت میں مجھ پر ایک ضعف اور پستی طاری ہوئی، طبیعت بڑی شدت سے مالش کرنے لگی، اور سارا بدن کانپ اٹھا۔ ان آثار کے بعد مجھ پر غشی سی طاری ہونے لگی۔ پھر وہ بھی ختم ہو گئی۔ اور میں اپنے خیالات کے مزاج میں ایک تبدیلی محسوس کرنے لگا۔ مجھ میں زیادہ جرات اور خطرات کی طرف سے لاپرواہی پیدا ہو گئی تھی۔ یہ ذمہ داری کے بندھنوں کا حل تھا۔ میں نے اپنے جسم کی طرف دیکھا میرے کپڑے ڈھیلے ہو کر ہاتھ پاؤں پر لٹکنے لگے تھے۔ ہاتھ جو میرے گھٹنے پر رکھا ہوا تھا، اس پر نسیں ابھر آئیں تھیں اور بال اگ آئے تھے۔ میں پھر ایڈورڈ ہائیڈ تھا، ایک لمحہ پہلے میں بالکل محفوظ تھا۔ لوگوں کے دل میں میری عزت تھی۔ میں رئیس تھا۔ قابل محبت تھا۔ گھر پر میرے لئے دسترخوان بچھایا جا رہا تھا۔ اور اب میں عام آدمیوں کا شکار تھا۔ ایک بے گھر اور جانا پہچانا ہوا قاتل جس کی تلاش تھی، پھانسی کا پھندا جس کا منتظر تھا۔

میری عقل چکرا گئی۔ لیکن اس نے میرا ساتھ نہیں چھوڑا۔ میں نے اکثر دیکھا ہے کہ میرے دوسرے کردار میں میری صلاحیتیں تیز ہو جاتی ہیں۔ اور جذبات میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس طرح جہاں جیکل گھبرا جاتا ہائیڈ نے موقع کی نزاکت کا احساس کر لیا۔ میری دوائیں میرے کمرے کی ایک الماری میں تھیں۔ لیکن وہاں تک پہونچوں کیسے؟ یہ تھا وہ مسئلہ جسے میں (اپنا سر دونوں ہاتھوں میں دبائے ہوئے) حل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تجربہ گاہ کا دروازہ میں بند کر آیا تھا۔ اگر میں اپنے گھر میں داخل ہونے کی کوشش کروں گا۔ تو خود میرے نوکر مجھے پکڑ کر پھانسی پر چڑھا دیں گے

اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ میں کسی دوسرے سے کام لوں، اور مجھے لن یون کا خیال آیا۔ لیکن اس تک کیسے پہونچا جائے۔ اسے کیسے راضی کیا جائے؟ فرض کرو کہ میں سڑک پر نہ پکڑا گیا تو بھی میں اس کے سامنے کیسے جاؤں گا۔ اور میں ایک اجنبی اور ناخوشگوار آدمی کی حیثیت سے اس مشہور ڈاکٹر کو اس پر کیسے آمادہ کروں گا کہ وہ اپنے رفیق ڈاکٹر جیکل کے کمرے کا دروازہ توڑے۔ پھر مجھے خیال آیا کہ میری اصلی فطرت کا ایک حصہ ابھی باقی تھا۔ میں اپنے انداز تحریر میں لکھ سکتا ہوں۔ اور جب مجھے ایک بار روشنی کا یہ شرارہ نظر آیا تو سارا راستہ چمک اٹھا۔

جس حد تک ممکن ہو سکا میں نے اپنے کپڑے درست کئے اور ایک کرائے کی گاڑی میں بیٹھ کر پورٹ لینڈ اسٹریٹ کے ایک ہوٹل میں چلا گیا جس کا نام مجھے اتفاق سے یاد رہ گیا تھا۔ میری صورت دیکھ کر (جو کافی مضحکہ خیز تھی چاہے میرے کپڑے کتنے ہی غمناک حقیقت کو کیوں نہ چھپائے ہوں) کوچوان اپنی ہنسی نہ ضبط کر سکا۔ میں اس پر غصے سے اپنے دانت پیسنے لگا۔ اور اس کی خوش قسمتی سے یا اپنی خوش قسمتی سے اس کے چہرے سے ہنسی غائب ہو گئی۔ کیونکہ میں دوسرے ہی لمحے اسے پکڑ کر نیچے گھسیٹ لیتا۔ ہوٹل میں داخل ہو کر میں نے اپنے چاروں طرف ایسی خوفناک نظروں سے دیکھا کہ سارے نوکر کانپ اٹھے۔ میرے سامنے کسی نے نگاہ نہیں اٹھائی، بلکہ چاپلوسی اور خوشامد کے انداز میں میرے احکام سنے۔ انھوں نے مجھے ایک الگ کمرہ میں پہونچا دیا۔ اور لکھنے کا سامان مہیا کر دیا۔ ہائیڈ جسے اپنی زندگی کا خطرہ ہو میرے لئے ایک نئی چیز تھا جو غصے سے جھنجلایا ہوا تھا، اور بالکل قتل کر دینے پر آمادہ تھا۔ پھر بھی وہ چالاکی سے کام لے رہا تھا۔ اس نے بے انتہا کوشش کر کے اپنے غصے پر قابو پا لیا، اپنے دو اہم خط لکھے، ایک لن یون کو اور دوسرا پول کو، اور یہ یقین کرنے کے لئے کہ وہ واقعی ڈاک میں ڈال دئے گئے ہیں

اس نے یہ ہدایت کی کہ انھیں رجسٹری کے ذریعہ سے بھیجا جائے۔

اس کے بعد وہ سارے دن اپنے کمرہ میں آگ کے سامنے بیٹھا ہوا ناخون چباتا رہا۔ وہیں اپنے خوف وخطرات کو دلمیں لئے ہوئے اس نے کھانا کھایا۔ نوکر اس کی نظروں کے سامنے گھبرایا ہوا تھا۔ اور جب رات کافی ہوگئی تو وہاں سے ایک بند گاڑی میں بیٹھ کر چلا، اور شہر کی مختلف سڑکوں پر چکر لگاتا رہا۔ میں ”وہ“ کا لفظ استعمال کر رہا ہوں ”میں“ کا لفظ استعمال نہیں کر سکتا۔ اس جہنم زادہ میں انسانیت کا شائبہ تک نہیں تھا۔ اس کے وجود میں خوف اور نفرت کے سوا کچھ نہیں تھا۔ آخر کار یہ سوچکر کہ کوچوان اسپر شبہ کرنے لگا ہے۔ اس نے گاڑی چھوڑ دی، اور وہ پیدل روانہ ہوا۔ ان کپڑوں میں جو اس کے جسم پر موزوں نہیں تھے۔ وہ ایسی چیز بن گیا تھا جسے ہر آدمی غور سے دیکھے گا اسوقت اسکے دل میں خوف ونفرت کے ان دو گندے جذبات کے سوا کچھ نہیں تھا۔ جو اس کے سینے میں ایک طوفان برپا کئے ہوئے تھے۔ وہ خود اپنے خوف سے سہما ہوا تھا۔ اپنے آپ سے باتیں کرتا۔ مقابلتاً سونے راستوں سے گذرتا۔ اور ان لمحات کو گنتا ہوا تیز تیز قدم رکھ رہا تھا۔ جو ابھی آدھی رات میں باقی تھے۔ ایک جگہ اس سے ایک عورت نے بات کی۔ شاید اسے دیا سلائی پیش کی۔ لیکن اس نے اس عورت کے منہ پر ایک طمانچہ مارا، اور وہ بھاگ گئی۔

جب میں لن یون کے گھر پہونچکر اپنے اصلی وجود میں واپس آیا، تو اپنے پرانے دوست کی دہشت کا کچھ اثر مجھ پر بھی پڑا۔ مجھے معلوم نہیں ہے مگر میں سمجھتا ہوں۔ ”کہ یہ اس نفرت کے سمندر کا ایک قطرہ تھا جس نفرت کے ساتھ میں نے پچھلے گھنٹوں کا جائزہ لیا۔ میں اب تبدیل ہو چکا تھا۔ اب پھانسی کا خوف نہیں تھا۔ بلکہ دوبارہ ہائیڈ بن جانے کی دہشت تھی۔ جو مجھے ستا رہی تھی۔ میں نے لن یون کی لعنت کو نیم خوابی کی حالت میں سنا، اور اسی نیم خوابی کی حالت میں اپنے گھر واپس آیا۔ اور بستر پر لیٹ گیا

میں دن بھر کی افسردگی اور پریشانی کے بعد اتنی گہری نیند سویا جسے میرے خوفناک کابوس بھی نہیں توڑ سکتے تھے۔ میں جب صبح اٹھا تو کافی کمزور تھا۔ پھر بھی تازگی کا احساس ہو رہا تھا۔ میں اب بھی اس وحشی جانور کے خیال سے نفرت اور خوف کھا رہا تھا جو میرے وجود کے اندر سو رہا تھا۔ اور میں گذرے ہوئے دن کے خطرات کو نہیں بھولا تھا لیکن میں پھر مطمئن تھا۔ خود اپنے گھر میں اپنی دواؤں کے پاس تھا، اور بچ نکلنے کا جذبہ تشکر میری روح میں اتنا شدید تھا کہ وہ امید کی چمک دمک پر بھی حاوی ہو گیا تھا۔

میں صبح ناشتہ کرنے کے بعد اپنے احاطے میں ٹہل رہا تھا اور ہوا کی ٹھنڈک سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ مجھ پر وہ ناقابل بیان کیفیات پھر طاری ہو گئیں جو تبدیلی کا اعلان تھیں، اور میں بھاگ کر بمشکل اپنے کمرے میں پناہ لے سکا تھا کہ میرے سینے میں ہائیڈ کے طوفانی جذبات پھر ہنگامہ برپا کئے ہوئے تھے۔ اس بار مجھے اپنے اصلی وجود میں واپس آنے کے لئے دوا کی دونی خوراک استعمال کرنی پڑی لیکن افسوس، چھ گھنٹے بعد پھر جب میں حسرت ناک نظروں سے بیٹھا ہوا آگ کو دیکھ رہا تھا تبدیلی کا کرب پھر شروع ہوا۔ اور مجھے پھر دوا پینی پڑی مختصر یہ کہ اس دن سے یہ حالت ہو گئی کہ بڑی کوشش کے بعد اور دوا کے فوری اثر کے تحت میں جیکل کا وجود اختیار کر سکتا تھا۔ رات دن ہر وقت میں خوف کے احساس سے کانپتا رہتا تھا۔ میں اگر سو جاتا بلکہ اگر ذرا دیر کے لئے بھی میری آنکھ جھپک جاتی تھی تو میں ہائیڈ کے پیکر میں بیدار ہوتا تھا، اس خوف کے بوجھ کے نیچے جو ہر وقت مجھ پر منڈلاتا رہتا تھا اور اس بے خوابی کے اثر سے جو میں نے اپنے اوپر طاری کر رکھی تھی، میری ذات ایک ایسی ہستی بن گئی تھی جسے بخار نے کھوکھلا کر دیا ہو۔ جسمانی اور ذہنی دونوں اعتبار سے بے حد کمزور۔ مجھ پر صرف ایک جذبہ حاوی رہتا تھا، اور وہ اپنے دوسرے وجود کا خوف تھا۔

لیکن جب میں سوجاتا تھا، یا جب دوا کا اثر زائل ہوجاتا تھا۔ تو بغیر تبدیلی کے احساس کے (کیونکہ اب تبدیلی کا کرب روز بروز کم ہوتا جاتا تھا) میں وہ تصورات حاصل کرلیتا تھا جو دہشتناک تھے۔ وہ روح حاصل کرلیتا تھا جو بے وجہ نفرتوں سے ابلتی رہتی تھی ایک ایسا جسم اختیار کرلیتا تھا جو زندگی کی جوش کھاتی ہوئی قوتوں کو برداشت کرنے کے قابل نہیں معلوم ہوتا تھا جیکل کے روگ کے ساتھ ساتھ ہائیڈ کی قوتیں بڑھتی جاتی تھیں۔ اور وہ نفرت جس نے ان دونوں کو الگ الگ کردیا تھا، دونوں طرف برابر تھی۔ جیکل کے لئے وہ جبلی نفرت تھی۔ اس نے اب اس جانور کی بدتواسگی پوری طرح دیکھ لی تھی۔ جو اس کے شعور کے مظہر میں شریک تھا۔ اور قبر تک اس کی ہر چیز کا حصہ دار تھا۔ برادری کے ان رشتوں کے علاوہ جو بجائے خود اس کی تکلیف اور وحشت کا سب سے بڑا باعث تھے، وہ اپنی تمام قوتوں کے ساتھ یہ سوچتا تھا کہ ہائیڈ ایک ایسا حیوان ہے جو محض جہنمی نہیں، بلکہ غیر نامی اور غیر عنصری ہے۔ یہ دہشت انگیز اور نفرت خیز بات تھی کہ نالی کی کیچڑ چیخ چلا سکتی تھی۔ غیر متشکل خاک زبان سے چلا سکتی تھی اور گناہ کرسکتی تھی۔ جو چیز مردہ تھی جس کی کوئی شکل وصورت نہیں تھی، وہ زندگی کے فرائض کو غصب کر رہی تھی۔ اور پھر لطف یہ کہ یہ سرکش وحشت اسکے ساتھ اس طرح وابستہ تھی کہ بیوی بھی نہیں ہوسکتی۔ وہ آنکھ کی پتلی سے بھی زیادہ قریب تھی۔ اس کے جسم میں اسیر تھی۔ اور باہر نکلنے کے لئے کشمکش اور جدوجہد کرتی رہتی تھی، اور نیند کے عالم میں اس پر قابو پالیتی تھی۔ اور اسے زندگی سے برطرف کرکے خود قابض ہوجاتی تھی۔ ہائیڈ کی نفرت جیکل کے لئے دوسرے قسم کی تھی۔ پھانسی کا خوف اسے کئی بار وقتی طور سے خودکشی کرنے پر مجبور کردیتا تھا، اور وہ بجائے ایک ذات کے صرف ایک حصہ بن کے اپنے نیچے درجے پر رہتا تھا۔ لیکن وہ اس مجبوری سے نفرت کرتا تھا۔ وہ اس دل شکستگی سے نفرت کرتا تھا۔ جس میں اب جیکل مبتلا تھا، اور اسے یہ بات بیحد ناگوار تھی کہ اس سے نفرت کیجاتی ہے

اس لئے وہ بندر کی طرح میرے ساتھ شرارتیں اور فریب کرتا رہتا ہے۔ میرے انداز تحریر میں کتابوں کے صفحات پر کفر کی باتیں لکھ دیتا تھا۔ میرے باپ کے خطوط اور تصویریں جلا دیتا تھا۔ اور اگر اسے اپنی موت کا ڈر نہ ہوتا تو وہ یقیناً مجھے تباہ کرنے کے لئے اپنے آپ کو بالکل تباہ و برباد کر لیتا۔ مگر اسے زندگی سے جو محبت ہے وہ حیرت انگیز ہے میں جسے اسکے خیال ہی سے تسلی ہونے لگتی ہے۔ جب اس لگاؤ اور محبت کی ذلت دخواری اور جوش و ہیجان کو دیکھتا ہوں اور یہ محسوس کرتا ہوں کہ وہ اس سے کتنا ڈرتا ہے کہ میں اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے خودکشی کر لوں گا تو مجھے اپنے دل میں اسکے لئے رحم کا جذبہ محسوس ہونے لگتا ہے۔

اس بیان کو طول دینا بیکار ہے اور وقت کی کمی بھی اس کی اجازت نہیں دیتی بس یہ کہنا کافی ہے کہ کسی نے ایسے دکھ نہیں جھیلے ہیں۔ اور پھر بھی عادت نے روح کو بلند کرنے کے بجائے ایک طرح کی تنگدلی پیدا کر دی ہے۔ اور ناامیدی سے سمجھوتہ کر لیا ہے۔ میری سزا کا یہ سلسلہ کچھ سال اور جاری رہتا لیکن آخری حادثے نے جو اب پیش آگیا ہے۔ اور جس نے مجھے اور میری شکل و صورت اور فطرت سے الگ کر دیا ہے۔ اس مدت کو گھٹا دیا ہے۔ میرے نمک کا ذخیرہ جس میں میں نے پہلے تجربہ کے بعد سے کبھی اضافہ نہیں کیا تھا۔ آہستہ آہستہ کم ہونے لگا۔ میں نے تازہ نمک منگایا۔ اور اسے دوا میں ملایا۔ اس میں جوش پیدا ہوا۔ پہلا رنگ آیا لیکن دوسرا رنگ نہیں آیا میں نے اسے پی لیا۔ اور اس کا کوئی اثر نہیں ہوا تمہیں یہ پول سے معلوم ہوگا کہ میں نے کس طرح پورے لندن کو چھان مارا۔ لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ اور اب میں یہ سمجھتا ہوں کہ نمک کی پہلی رسد خالص نہیں تھی، اور وہ اسکی آمیزش تھی جس نے میری دوا میں اثر پیدا کیا تھا۔

ایک ہفتہ گذر چکا ہے۔ اور اب میں اپنا یہ بیان پچھلے بچے ہوئے سفوف

کی آخری خوراک کے زیر اثر ختم کر رہا ہوں۔ اگر کوئی معجزہ ہو جائے تو دوسری بات ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہنری جیکل آخری بار اپنے خیالات سوچ رہا ہے۔ آخری بار آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ رہا ہے (افسوس ہے یہ کتنا بدل چکا ہے) مجھے اپنی تحریر ختم کرنے میں زیادہ دیر نہیں کرنی چاہئے۔ کیونکہ میرا یہ بیان اگر ابھی تک غارت گری سے بچا ہوا ہے؛ تو اس کی وجہ انتہائی احتیاط اور خوش قسمتی ہے۔ اگر مجھ میں تبدیلی اس تحریر کے دوران میں پیدا ہو جائے تو ہائیڈ اسے پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیگا۔ لیکن اگر میں اسے لکھ کر رکھ دوں اور کچھ دیر گذر جائے تو ہائیڈ کی حیرت انگیز خود غرضی اور لمحاتی دلچسپی کی بدولت یہ شاید اس کی بن مانس جیسی نفرت سے محفوظ رہ جائے اور انجام نے جو بڑی تیزی سے ہم دونوں کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس کو تبدیل کر دیا ہے، اور اسے بالکل کچل دیا ہے، اب اسے آدھ گھنٹے کے بعد جب میں پھر ہمیشہ کے لئے اس قابل نفرت شخصیت، کا پیکر دھار لوں گا، مجھے معلوم ہے کہ میں کسطرح اپنی کرسی میں بیٹھ کر کانپوں گا اور روؤں گا، یا اس کمرے میں مسلسل ٹہلوں گا۔ (جو زمین پر میری آخری پناہ گاہ ہے)۔ اور کان لگا کر باہر سے آنے والی ہر خطرے کی آواز کو سنوں گا، کیا ہائیڈ پھانسی پر چڑھ کر مرے گا؟ یا اس میں اتنی ہمت ہو گی کہ اپنے آپ کو آخری لمحے میں آزاد کرلے۔ خدا ہی جانے کیا ہو گا؛ میں بالکل بے پرواہ ہو گیا ہوں۔ یہ میری موت کا صحیح لمحہ ہے۔ اس کے بعد جو کچھ ہو گا اسکے متعلق مجھے نہیں دوسروں سے ہے۔ اب جبکہ میں اپنا قلم رکھ رہا ہوں۔ اور اپنے اعترافات کو لفافے میں سربہ مہر بند کرنے جا رہا ہوں، میں بدنصیب ہنری جیکل کی زندگی (کی داستان) ختم کر رہا ہوں۔

رابرٹ لوئی سٹونسن

سٹیونسن (۱۸۹۴—۱۸۵۰) ایڈنبرگ اسکاٹلینڈ میں پیدا ہوا۔ اس نے ایڈنبرگ یونیورسٹی میں پڑھا لیکن جلد ہی قانون کی خاطر اسے خیرباد کہہ دیا۔ سل کے مرض کی وجہ سے صحت کی تلاش میں بار بار سیر و تفریح کو جانا پڑا اور یہی وجہ ہے کہ اس کی ادبی زندگی سفرناموں سے شروع ہوئی۔ "کشتی کی سیر میں" جو ۱۸۷۸ء میں شایع ہوئی بلجیم اور فرانس کی سیاحت کا حال بیان کیا گیا ہے "سیوینیز میں ایک گدھے کے ساتھ سفر کی سرگذشت" کی اشاعت ۱۸۷۹ء میں ہوئی۔ شہرت نے اسٹیونسن کے قدم اس وقت چومے جب ۱۸۸۳ء میں اسکی مشہور خطرپسندی سے متعلق کہانی "ٹریژر آئی لینڈ" (لکشمی بھنڈار دیپ) شایع ہوئی۔ "ڈاکٹر جکیل اور مسٹر ہائیڈ" کی اشاعت کا زمانہ ۱۸۸۶ء ہے، اور اسکے بعد کئی رومانی کہانیاں شایع ہوئیں ۱۸۸۹ء میں جب اسٹیونسن سیموآ گیا تو اس نے وہیں سکونت اختیار کر لی، اور مرتے دم تک وہیں زندگی بسر کی، اس نے اگرچہ اپنے ہمعصر ادیب کپلنگ کی طرح غیر ملکوں کے حالات قلمبند کئے لیکن اسکے یہاں کپلنگ کی سی سامراج پرست اور سلطنت نواز خصوصیات کا شائبہ تک نہیں ہے۔ اسکا نقطۂ نظر تمام قوموں کیساتھ دوستی اور وسیع القلبی پر مبنی تھا۔

Price Re. 1/-